تیشۂ گل



سلطان الحق شہیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیشۂ گل

کچھ مصنف کے بارے میں

- بانی ممبر:۔انجمن ترقی اردو ادب، سری نگر ۱۹۵۴ء
- سکریٹری جنرل:۔کل ہند بزم یادگار اقبال، سری نگر ۱۹۷۳ء
- رکن:۔کشمیر کلچرل لیگ ۱۹۷۳ء
- بانی ممبر:۔اردو اکادمی جموں و کشمیر (سری نگر) ۲۰۰۷ء
- سابق:۔صدر مدرس گورنمنٹ اورینٹل کالج، سری نگر
  (صدر شعبہ اردو، فارسی و کشمیری)

تصانیف

- برگ برگ
- انکشاف
- تیشۂ گل

اردو منظوم تراجم

- کلام شیخ العالمؒ — کشمیری سے
- کلام مہجورؔ — کشمیری سے
- لالۂ طور (اقبال) — فارسی سے

کشمیریات

- ویڑارناگ — کشمیری مجموعہ کلام

منظوم تراجم

- منتخبات غالبؔ — اردو سے
- مسدس حالیؔ (مکمل) — اردو سے
- شکوہ جواب شکوہ (اقبالؔ) — اردو سے
- رباعیات بہاء الدین نقشبندؒ — فارسی سے
- پیام مشرق (اقبالؔ) مکمل — فارسی سے
- ارمغان حجاز (اقبالؔ مکمل) — فارسی سے
- رباعیات عمر خیامؔ — فارسی سے
- منتخبات پشکن — روسی
- منتخبات لی پو — چینی
- منتخبات ٹیگور — بنگالی

تالیفات

- کلیات عزیزؔ بخاری
- کلیات احمدؔ بٹہ واری

تیشۂ گل

شعری مجموعہ

سلطان الحق شہیدی کاشمیری

نام کتاب	:	تیشۂ گل
نام مصنف	:	محمد سلطان الحق
تخلص	:	شہیدیؔ
کمپوزنگ	:	وسیم احمد
اشاعت	:	2009ء
پروڈکشن	:	اردو بک ریویو، 1739/3 (ذیلی منزل)، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002 فون: 011-23266347
صفحات	:	4+244
قیمت	:	300/- روپے
تعداد	:	500
مطبع	:	کلاسک آرٹ پرنٹرز، نئی دہلی-2
ملنے کا پتہ	:	کتاب گھر، مولانا آزاد روڈ، سری نگر۔

ناشر

ولایت علی شہیدیؔ

ستہ بونی، لال بازار، سری نگر-190011 موبائل: 9469077949



حاصلِ عمر گراں مایہ سمجھ لو اس کو
بزمِ احباب میں مل جائے جو انساں کوئی

سلطان الحق شہیدیؔ

فہرست

☆☆☆

انتساب

اپنے والدین

کے

علاوہ

شیدایان

اُردو زبان وادب

کے نام

سلطان الحق شہیدی......موسم برق کا شاعر

غزل......عصری معاشرتی و ثقافتی اقدار کے مہذب اور معیاری اظہار سے عبارت ہے۔ کلاسیکیت سے لے کر رومانیت اور ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تک ہر دور میں زندگی اور زمانہ کی ہر کروٹ کے ساتھ غزل اپنا یہ کردار بخوبی نبھاتی رہی ہے۔ چنانچہ حوالہ خواہ حسن و عشق کا ہو یا تصوف و اخلاقیات کا، اجتماعی تغیر و انقلاب کا ہو یا ذات کی تنہائی و شکستگی کا یا پھر عالیت اور صارفینیت کی پیدا کردہ تکثیریت کے تصور کا اُردو غزل نے انسان اور انسانیت کی تعمیر و تحفظ ارتقاء اور اعتبار کو ہی بنیادی طور پر ترجیح دی ہے۔ عصری اردو غزل کا مزاج اس کا بین ثبوت ہے اور عصر حاضر کے جن شاعروں کے یہاں غزل اپنی تمام تر پہلو داریوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے ان میں سے ایک سلطان الحق شہیدی بھی ہیں۔ سلطان الحق شہیدی کے تازہ ترین مجموعہ غزلیات ''تیشہ گل'' کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سلطان الحق شہیدی ایسے غزل گو شاعر ہیں جنہوں نے لسانی، فنی و جمالیاتی تقاضوں کو برتتے ہوئے، موضوعی اور اسلوبیاتی اعتبار سے غزل کے امکانات کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے ہر چند کہ غزل/شاعری کے حوالے سے سلطان شہیدی نے اپنا نقطہ نظر خود ہی بیان کیا ہے۔

شعر ہی شرحِ دردِ دِل ہے دوست
شعر ہی دردِ دل کا عنوان ہے

میری غزل میں کرلیں تماشائے کائنات
اہل نظر کے واسطے رکھا ہے جام جم



وقت کی نبض پر ہے اپنا ہاتھ
وقت کے ترجمان ہیں یہ اشعار



عصر حاضر ہے کینواس اپنا
اور اشعار ؟ چترکاری ہے

لیکن سلطان الحق شہیدی کے اس طرح کے دعوے یا تصورات، ان کی شاعرانہ وقدر و قیمت متعین کرنے میں معاون تو ہو سکتے ہیں لیکن اُردو غزل کا عام قاری محض ایسے اشعار کی بنیاد پر عصر حاضر کا ایک ممتاز شاعر تسلیم کرلے یہ ممکن نہیں اس کیلئے ضروری ہے کہ سلطان الحق شہیدی کے مجموعہ غزلیات ''تیشہ گل'' میں شامل 153 غزلوں کا شعر شعر، لفظ لفظ کا بغور جائزہ لیا جائے اس لئے کہ برصغیر ہندو پاک کے اردو شعری منظرنامے میں اردو غزل کے نمائندہ شاعروں کے درمیان کسی ایک شاعر کے شاعرانہ انفراد و امتیاز کی نشاندہی کا عمل، فضا میں بکھری ہوئی خوشبوؤں کو الگ الگ نام دینے سے زیادہ مشکل عمل ہے لہٰذا کشمیر کے ممتاز شاعر سلطان الحق شہیدی کی غزل گوئی کے مقام اور مرتبے کی توضیح وتعبیر بھی دو اور دو چار کی طرح ٹھوس اور حتمی انداز میں نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ سلطان الحق شہیدی ایک کل وقتی اور فطری شاعر ہیں اور عصر حاضر کے دیگر متعدد فطری اور جینوین شاعروں کی طرح سلطان شہیدی کی شاعری بھی اپنے اندر کلاسیکی دور سے لے کر عصر حاضر تک کی اردو شعریات کے ان گنت رنگوں، پہلوؤں اور رویوں (Attitudes) کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ان

سب کو الگ الگ عنوان دے کر ان کی نشاندہی کر پانا مشکل ہے پھر بھی سلطان الحق شہیدی کے اشعار کی دوسری اور کبھی تیسری قرات کے بعد جو رویے گرفت میں آتے ہیں ان کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ شہیدی کے یہاں کلاسیکیت، رومانیت اور ترقی پسندی سے لے کر جدیدیت اور اس سے آگے کے لسانی، موضوعی اور جمالیاتی رویے بھی کسی نہ کسی معیار سے جلوہ گر نظر آتے ہیں مثلاً شہیدی کی غزلوں میں کلاسیکی غزل کس طرح رقصاں و لرزاں ہے اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے۔

رُخ پہ لہرائے نہ یوں کاکل پیچاں کوئی
یوں ہی کیوں مفت میں ہو جائے پریشاں کوئی

کشتی شوق کو موجوں کے حوالے کر دو
بحرِ ہستی میں اُمڈ آئے جو طوفاں کوئی

چلی جو کچھ چلی گذری جو کچھ سرکار گزری ہے
مگر خوش ہوں کہ اپنی زندگی خوددار گذری ہے

وفا کی راہ میں وہ ساتھ آجاتے تو کیا ہوتا
حقیقت کے لئے بدنام ہو جاتے تو کیا ہوتا

لیکن تیشہ گل میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جنہیں اگر ایک ہی جگہ رکھ کر پڑھا جائے تو تاثر یہی قائم ہوگا کہ شہیدی ایک نرے رومانی شاعر ہیں۔

ان سے جب رسم و راہ ہوتی ہے
بے کلی بے پناہ ہوتی ہے

ہم بھی اُمید وار رہتے ہیں
دیکھیئے کب نگاہ ہوتی ہے
مانوس ہوگئے ہیں غم زندگی سے ہم
بھاتی ہے پھر بھی زلف شکن در شکن کی بات

لیکن سلطان الحق شہیدی کا تعلق اُس متوسط طبقے سے ہے جو حسرتوں اور ضرورتوں، آرزوؤں اور تمناؤں کے ساتھ یا تو جینے کیلیئے مرتا ہے یا پھر مرنے کیلیئے ہی جیتا ہے۔ یہ سچائی اگر کسی تخلیقی فنکار کے اندر سماجی اور سیاسی شعور اور سروکار پیدا کردے تو یہ ایک فطری عمل ہوگا خواہ اسے ترقی پسندی کہا جائے یا عصری حسیت۔ چنانچہ سلطان الحق شہیدی کے یہاں بھی ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں یہ اشعار دیکھئے۔

نہ جانے کب کھلے چشم بصیرت
ہر اک مزدور، مفلس پیشہ ور کی

چراغ فکر اہل انجمن کی آزمائش ہے
شب تاریک میں ننھی کرن کی آزمائش ہے
نکل ہی آئیں گے تخریب سے تعمیر کے پہلو
جگرداری میں ارباب محن کی آزمائش ہے

ہم شہید ناز ہیں منزل کے پاس
دیکھیئے آپ اپنی ہی محفل کے پاس
قافلے والو اُٹھو آگے بڑھو
یوں بھی پہنچا ہے کوئی منزل کے پاس

طویل ہوگیا جب انتظار کا موسم
سمجھ میں آگیا دل کے غبار کا موسم
چلے چلو کہ ملے سب کو اپنی اپنی داد
اسی کو کہتے ہیں روز شمار کا موسم

شہیدی کی غزلوں میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری، شاعر کو بے دخل کر کے خود اپنے آپ کو شاعر کا قائمقام بنالیتا ہے اسے لگتا ہے جیسے شعر میں بیان کیا گیا تجربہ شاعر کا نہیں خود اس کا اپنا تجربہ ہے۔ یوں بھی جو شعر قاری پر ''میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے'' کی کیفیت پیدا کردے وہ شعر لسانی، فنی یا جمالیاتی اعتبار سے بہت بلند نہ بھی ہو تب بھی قاری کے رگ و پے میں اُتر جاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

کھوٹ دلوں میں جھوٹ لبوں پر ہوس کے بندے کیا کہئے
دل کی دنیا کالی کالی چہروں پر اُجیارا ہے

دین ہو فلسفہ ہو حکمت ہو
آج کل سب کا چل گیا بیوپار
پینے والے تھے چھپ کے پیتے تھے
اور اب عام بادہ خواری ہے
فرصت کشمکش ملے کیوں کر
تھوڑی آمد ہے خرچ بھاری ہے
خون پی پی کے جی رہے ہیں دوست
ہر زمانے میں جو بھی ہیں خوددار

یوں تو سب ٹھیک تھا مگر ہمدم
آدمی سے نالاں ہے

لیکن کسی بھی پختہ کار شاعر کی طرح شہیدیؔ کے سادہ بیانیہ اسلوب کے یہاں اشاراتی واستعاراتی انداز بیان بھی جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

دین مشکل کشی کی ہے ورنہ
میں کہاں وجہ کائنات کہاں

اک تصور کا آفتاب اے دوست
میرے حسرت کدے میں رخشاں ہے

سینکڑوں صدیوں سے اب تک برسرِ پیکار ہوں
ہائے اک اُجڑے نگر کی ٹوٹتی دیوار ہوں

تجھ ایک چاند پر ہی منحصر نہیں اب تک
نہ جانے کتنے ہی سورج گہن سے گذرے ہیں

شعر وادب کے دروازے نت نئے لسانی، موضوعی اور اسلوبیاتی رویوں کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی بھی دور میں، تخلیقی فنکار کا مروجہ عصری تقاضوں سے اثرات قبول کرنا ایک فطری امر ہے۔ اگرچہ 9-2008 تک آ کر جدیدیت کا رجحان زوال پذیر ہو چکا ہے لیکن سلطان الحق شہیدیؔ کے زیر مطالعہ مجموعہ غزلیات میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جنہیں "جدیدیت" کے رجحان کے زائیدہ اشعار کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً

دل ہے تنہا مری نظر تنہا
زندگی خوب ہے مگر تنہا

روز مجھ کو جوڑنے کے واسطے توڑا کئے
اے مرے خالق بتا کیا میں ترا شہکار ہوں
گاؤں سے چل پڑا تھا کبھی شہر کی طرف
ہر آدمی مشن لگا میں پلٹ گیا
مانا مسرتیں ہیں متاع گراں بہا
پھر بھی حریف لذت سوز الم نہیں

کہنے کی ضرورت نہیں کہ تنہائی، وجود کی شکستگی، ہجرت، بے چارگی، زندگی کی مشینیت، سوزِ رنج والم سے عشق وغیرہ جدیدیت کی شعری جمالیات کے بنیادی وظیفے رہے ہیں لیکن سلطان الحق شہیدی کی شاعری جدیدیت سے آگے بڑھ کر مابعد جدیدیت کی حدوں کو بھی چھوتی نظر آتی ہے۔ کہیں زبان کہیں موضوع اور کہیں بحر و وزن ردیف وقافیہ کے حوالے سے۔ چند مثالیں دیکھئے ؎

یعنی جو اپنے آپ سے بھاگا
جب وہ سویا تو پھر نہیں جاگا
دیکھنا ٹرک اُلٹ گیا ہوگا
راہ سے اپنی ہٹ گیا ہوگا
بہہ گیا دیکھتے ہی دیکھے شہر
وقت بادل ہے پھٹ گیا ہوگا
اکثر تمہاری یاد نے شب خون مار کے
پرزے اُڑا دیئے ہیں غم روزگار کے

کیوں داغ داغ میرا بدن آپ نے کیا
تہذیب پوچھتی ہے یہ کپڑے اُتار کے
کسی نے ڈال دی ہے جب سے سادگی کی طرح
ٹھہر گئی ہے زمانے میں دل کشی کی طرح
ترا وصال مرے جون کا مہینہ ہے
ترے فراق کا موسم ہے جنوری کی طرح

شعر کے تخلیقی عمل کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ زرخیز اور صد پہلو تخلیقیت (Creativity) اظہاری صلاحیتوں (Expressive Skills) کے حامل شعراء کے یہاں اکثر لاشعوری طور پر سابقہ اساتذہ کے اشعار، متن زبان یا موضوع کے حوالے سے کسی نہ کسی شکل میں در آتے ہیں۔ یہ ''تخلیقی عمل'' کا ایک نفسیاتی نکتہ ہے جس کی وضاحت میں نے اپنی کتاب ''اقبال کی تخلیقیت'' میں بین المتونیت (Intertextuality) متن میں معنی کا عمل کے عنوان سے کی ہے۔ دراصل کوئی بھی سنجیدہ قاری کسی عمدہ متن (شعر) کی قرات کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اُس متن (شعر) سے مماثلت ومشابہت رکھنے والے دیگر متون یا اشعار بھی بیدار اور متحرک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حالیہ اور سابقہ متون کے مابین جو رشتہ قائم ہوتا ہے اور اس سے متن کی تفہیم وتعبیر کے حوالے سے جو وسیع فضا یا صورت حال سامنے آتی ہے، اس کو ''بین المتونیت'' کہتے ہیں مثلاً حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ ان کے سامنے جب غالب کا یہ شعر آیا۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

تو ان کے ذہن میں عرفی شیرازی کا یہ شعر جاگ اُٹھا

ہر کس ناشناسندۂ راز است دگر نہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب جیسے غیر معمولی شاعر کے متعدد اشعار، فارسی اور اردو کے سابقہ اشعار سے مشابہت رکھتے ہیں مثلاً غنی کاشمیری کا شعر ہے۔

شد روشنم از شمع کہ در بزم حریفاں
خاموش شدن مرگ بود اہل زباں را

اور غالب کہتے ہیں

زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

میر تقی میرؔ کا شعر ہے

اُٹھتی نہیں حیا سے تا ہم فلک پہ پہنچیں
پھرتی ہیں وہ نگاہیں پلکوں کے سایہ سایہ

غالب کا شعر ہے

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہئی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

حضرت ذوق نے کہا ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

غالب کے شعر میں اسی خیال کو اس طرح پیش کیا گیا ہے

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

یہاں سلطان الحق شہیدی کے اشعار میں، اساتذہ کے اشعار کے سائے لہراتے نظر آنے کے حوالے سے مشہور دانشور رولانڈ بارتھ (Rolland Barth) کے مشہور مضمون ''مصنف کی موت'' (Death of The Author) کے قول Writings Write Not Authors کو ذہن میں رکھیں تو پھر اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیئے اگر سلطان الحق شہیدی کے بعض اشعار پڑھ کر ذہن میں میر غالب اور اقبال، فیض اور غلام رسول نازکی کے مشہور اشعار زندہ اور متحرک ہو جائیں

میر کے اثرات

رہِ زندگی کٹے تو کٹے کس طرح کہ جب تک
نہ جمال ہو تمہارا نہ جلال ہو ہمارا
زندگی کا چراغ جلتا ہے
یا مرے دل کا داغ جلتا ہے

غالب کا اثر:

یہ وہ جہاں نہیں جہاں آزار ہی نہ ہو
گلزار کون ہے وہ جہاں خار ہی نہ ہو
اس بزم شب کے حشر پہ روتا ہے وقت بھی
جو انقلاب دہر سے بیدار ہی نہ ہو
یہ خدائے دو جہاں بھی عجب سادہ کار ہوتا
جو کوئی حسیں نہ ہوتا نہ کسی کا پیار ہوتا
کوئی بزم غم میں مجھ سا یہاں دلفگار ہوتا
مرا چارہ ساز ہوتا مرا غم گسار ہوتا

اقبال کے اثرات:

ہے یہی میرا پیام چھوڑ تمنائے خام
ڈھونڈ رہے ہو اگر عیش جہاں کا دوام
مرد مجاہد سے پوچھ اس کی حقیت ہے کیا
رفعت منزل حلال رجعت منزل حرام

شعلہ بے پناہ بن، ظلمت بے کنار میں
نقش دوام ہے کہاں تابش مستعار میں
واہ عمل کہ آج میں رنج شکست و ریخت سے
داغ سا بن کے رہ گیا سینۂ روزگار میں
لے دیکھ لیا ہم نے وہ جلوہ جانا نہ
جبریل کی جرات کیا اے جرات رندانہ
یہ حسن مجازی بھی وہ حسن حقیقی بھی
جلوے ہیں اسی کے سب اے نقد حکیمانہ

غلام رسول ناز کی کا اثر

نکہت و نور میں ڈھلی ہے زبان
میرا مسکن ہے وادیٔ گلپوش

سلطان شہیدی نے اساتذہ کے متون کی جس طرح تشکیل جدید کی ہے یا فکر وخیال میں توسیع کی ہے اسے مثبت زاویے سے دیکھا جائے گا۔

سلطان الحق شہیدی کی ایک اور اہم خصوصیت ان کی ارضیت ہے۔ ان معنوں میں شہیدی نے بحیثیت ایک ''کشمیری'' کے اپنے وطن اپنی زمین سے

وابستگی کے اظہار میں بھی بخل سے کام نہیں لیا ہے گذشتہ دو دہائیوں سے کشمیر پر کیا گذری ہے۔ اس ''درد'' کو شہیدی نے مختلف پہلوؤں سے اپنے اشعار میں اُتارا ہے۔ یوں بھی یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی ادیب یا شاعر خواہ کتنی بھی کوشش کیوں نہ کرے اپنے معاشرہ اور ثقافت سے الگ ہٹ کر شعر و ادب کی تخلیق نہیں کر سکتا، چنانچہ اردو ہی نہیں دنیا کی تمام بڑی زبانوں کے ادب میں ارضیت یا مقامیت کی مثالیں لازمی طور پر ملتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شاعری میں اس ارضیت یا مقامیت کو کوئی نظیر اکبر آبادی کے انداز میں برتتا ہے اور کوئی انیسؔ اور اقبالؔ کے معیار سے...... سلطان الحق شہیدی نے کشمیر سے اپنی وابستگی کا اظہار کس انداز اور معیار سے کیا ہے اس کا اندازہ چند اشعار سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

وہ دن گئے کہ عیش فراغت کہیں جسے
اب سوز کر رہا ہے کفالت کہیں جسے

کیا کیا عیاں ہوئے ہیں زمانے کے حادثات
عسرت کے جام جم کی عنایت کہیں جسے

رگ رگ سے نچوڑے ہے لہو اہل چمن کا
آداب گرانباریٔ سطوت کہیں جسے

ظلمات یاس کچھ بھی ہو روشن ہے آفتاب
خون رگ یقیں کی حرارت کہیں جسے

کشمیر کی عصری صورتحال اور اہل کشمیر کے صبر و تحمل، خودداری اور یقین محکم کو گنجینہ معنی کا حکم رکھنے والے حسی پیکروں کے وسیلے سے اس سے زیادہ بہتر انداز میں آج تک کسی نے پیش نہیں کیا۔ شاید اخلاص اور دردمندی کا جو سرمایہ گراں سلطان الحق شہیدی کو حاصل ہے دوسروں کے یہاں اس کی کمی نظر آتی ہے لیکن

شہیدی کے یہاں ارضیت کے حوالے سے اسی قبیل کی ایک اور غزل کے یہ اشعار بھی بہت کچھ کہتے نظر آتے ہیں۔

طوفان بدوش اپنی نظر دیکھ رہا ہوں
دونوں جہاں کو زیر و زبر دیکھ رہا ہوں
مانا شگفت لالہ و گل ہے روش روش
سو طرح پھر بھی چاک جگر دیکھ رہا ہوں
کیوں ناز نہ ہو مجھ کو مرے ذوق یقیں پر
آغاز میں انجام سفر دیکھ رہا ہوں
اے مادرِ کشمیر ترے رند بلا نوش
میخانے لٹاتے ہیں جدھر دیکھ رہا ہوں

سلطان الحق شہیدی کی زندگی اور شاعری سنجیدگی اور بردباری سے عبارت ہے لیکن اپنے وطن کی زبوں حالی اور اس کے اسباب و محرکات کے حوالے سے اکثر ان پر غم و غصہ کے جذبات بھی حاوی ہو جاتے ہیں۔

غیروں کا کیا حق ہے اس پر وہ کیوں مالی بن جائیں
ہم نے جس کو خون سے سینچا ہے وہ باغ ہمارا ہے

کانٹوں سے بھر گیا ہے چمن زار محبت
آزاد پھر سے سنبل و ریحان چاہیئے

اور پھر شہیدی کا یہ شکوہ اس دور کے ہر فرد کا کرب بن گیا ہے

ایک انسان ہوں اور اس پہ مصائب لاکھوں
مرے اللہ تجھے یاد کروں یا نہ کروں

شہیدی مثبت فکر اور تعمیری اقدار پر یقین رکھنے والے شخص اور شاعر ہیں اسی لئے قدروں کی شکستگی اور پامالی کبھی کبھار ان کے لہجے میں تلخی بھی بھر دیتی ہے۔

تلخیاں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں
زندگی بن گئی وبال اے دوست

معصوم رعایا ہیں کیا؟ مہرے ہیں میرے دوست
اور شاطر چالاک ہیں ارباب سیاست

اور خاص طور شہیدی کی غزل کے یہ اشعار شہیدی کے کرب کا اظہار طنزیہ رنگ میں کرتے ہیں

چوک میں سب احوال ہیں پیارے
راہوں میں دلال ہیں پیارے
پیار ، مروت، درد، محبت
سب کے سب پامال ہیں پیارے
شاہ نشینوں سے مت مانگو
وہ دل کے کنگال ہیں پیارے
سبزے کے ہم رنگ چمن میں
صیادوں کے جال ہیں پیارے

لیکن شہیدی یاسیت کے نہیں رجائیت کے شاعر ہیں ان کی دوررس نگاہیں تخریب میں تعمیر کا نظارہ کرتی ہیں۔

سن موسم شرار گل و یاسمن کی بات
ظلمت بدوش رات میں صبح وطن کی بات

پامالی خزاں کے بھی شکوے بجا مگر
لازم ہے بزم نو میں بہار چمن کی بات
اس دشت رستخیز سے اچھا نہیں فرار
احباب کو زیبا نہیں کوہ و دمن کی بات
عزم صمیم، پاس وفا، نقد دل وجاں
یہ پاس ہوں تو کرلو متاع چمن کی بات

سلطان الحق شہیدی کی شاعری (غزل گوئی) کے جن چند امتیازات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے علاوہ بھی کئی اور خصوصیات ہیں جن کا ذکر کیا جاسکتا ہے مثلاً لسانی تجربہ، نظریہ عشق، صوفیانہ رنگ، اخلاقی اقدار، تشبیہ واستعارہ نگاری، پیکر تراشی وغیرہ لیکن ختم کلام کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ سلطان الحق شہیدی بنیادی طور پر محسوسات کے شاعر ہیں۔ لیکن ان کے محسوسات، مختلف النوع تجربات کی شکل میں اس طرح سامنے آئے ہیں کہ ان کے اشعار ٹھوس اور وحدانی معنی کا اخراج نہیں کرتے بلکہ کیفیت و تاثر کے لامحدود امکانات کو تمام تر لسانی فنی اور جمالیاتی محاسن کیساتھ بے نقاب کرتے ہیں۔ اسی لئے شہیدی کی شاعری، عام بیان، سادہ تعبیر وتوضیح کا بیان نہیں بنتی بلکہ شاعری ہی رہتی ہے، اچھی اور عمدہ شاعری۔ شہیدی اور اس قبیل کے دیگر شعراء اپنے شعر/غزل/نظم جس تخلیقی اور جمالیاتی انداز میں منفرد لسانی برتاؤ کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس کی بناء پر ان کی شاعری ''چیزے دگر'' کے طور پر سامنے آتی ہے اور یہی عمدہ اور اعلیٰ شاعری کا حقیقی منصب ہے۔ چنانچہ سلطان الحق شہیدی اپنی شاعری میں جس ''بات'' (جذبہ، احساس، تجربہ اور فکر) کو پیش کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ پہلی ہی قرات میں اس ''بات'' کی ترسیل قاری تک ہو ہی جائے، شہیدی کے اکثر و بیشتر اشعار صاحب ذوق قاری سے (Ecrivian Reade) اور مکرر سنجیدہ قرأت کا تقاضہ

کرتے ہیں۔ یہ امتیاز سلطان الحق شہیدی کے شاعرانہ انفراد کی بنیادی شق ہے۔

دوسری بات یہ کہ کشمیر میں ہر چند کہ ان کے ہم عصر شعراء کی فہرست طویل ہے لیکن خاص طور پر ہمدم کاشمیری حکیم منظور (مرحوم)، حامدی کاشمیری، شبیب رضوی، پرتپال سنگھ بیتاب، یاسین بیگ اور عابد مناوری سے لے کر رفیق راز، شفق سوپوری، رخسانہ جبیں، ترنم ریاض، فرید پربتی، نذیر آزاد، سید رضا اور لیاقت جعفری وغیرہ اہم ہیں۔ ان سبھی شعراء میں سلطان شہیدی کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی ساری تخلیقی زندگی ایک کل وقتی اردو شاعر کے طور پر گذاری ہے انہوں نے اردو شاعری اور اس کی تمام ترکج کلاہیوں کو اس کی شعریات اور تہذیب کے ساتھ برتنے کو ہی اپنا مقصد حیات تصور کیا جبکہ ان کے کئی ہم عصروں نے کسی بھی سبب اُردو کے علاوہ کشمیری میں بھی طبع آزمائی کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کوشش میں عام طور پر وہ ناکام ہی رہے۔ دراصل شاعر جس زبان کی تہذیب اور شعریات کو اپنی تخلیقیت اپنی نفسیات اور اظہاری ہنرمندی (Poetics & Culturology) کا حصہ بناتا ہے اسی زبان میں اس کی شاعری فطری رنگ و آہنگ کے ساتھ وجود میں آسکتی ہے خواہ اس کی مادری زبان کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

غرض یہ کہ سلطان الحق شہیدی ایک ایسے معتبر اردو شاعر ہیں جنہیں اُردو شاعری کے کسی بھی مطالعے میں نظر انداز کرنا اُردو شاعری پر ظلم اور سلطان شہیدی کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔

۳۱ دسمبر ۲۰۰۸

(پروفیسر) قدوس جاوید
سابق صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی

حرفِ چند

میں نے دورِ حاضر کے اکثر علوم اردو کی وساطت سے پڑھے ہیں، سیکھے اور سمجھے ہیں۔ وہ علم سیاسیات ہو یا علم اقتصاد، معاش ہو یا معاشرت تاریخ ہو یا مذاہب عالم یا مختلف زبانوں کا ادب (نثر یا نظم) یہ سب حیدر آباد کے دارالترجمہ کا کارنامہ ہے جس نے اردو کے دامن کو وسعت بخشی۔

اردو سے میری دلچسپی اس کی مقناطیسی ہیئت کی دین ہے۔ میرا فکری تشخص اسی زبان میں ظہور پذیر ہوا۔ جس کا کچھ حصہ اس شعری مجموعہ کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

میرے کئی تراجم اور تصانیف کے علاوہ دو مزید شعری مجموعے عنقریب ہی آپ کے سامنے ہوں گے۔

ابتدائی سن میں میرے والد گرامی الحاج غلام محمد نقاش نے جو کشمیری دستکاری کے ہنر مند تاجر تھے، مجھے عرفان و آگہی کے اسرار و رموز سے واقف کرایا۔ خودداری و خود شناسی اور جہد حیات میں سربلندی کا عملی سبق دیا۔ آپ ۱۹۵۹ء میں دوران حج اپنی آرزو کے مطابق کعبہ شریف میں انتقال کر گئے۔ ان کے پس ماندگان کو میں نے سنبھالا۔ میرے والد نے مجھے کسب و ہنر دے کے میرے لئے اکل حلال کی بنیاد فراہم کی۔ اس کے بعد مجاز سے حقیقت کی طرف استاذی و

مرشدی پروفیسر پیرزادہ سید علی شاہ مصدر آکرمانی قادری وچشتی نے رہنمائی کی جو علوم اسلامی کے بحر ذخار اور علم باطنی کے شہسواروں میں کامل درجہ رکھتے تھے۔ میں نے انہیں سے درسی طور اردو اور فارسی پڑھی تھی اور بعد میں بھی انہی سے فیضان حاصل ہوتا رہا۔ دنیا میں رہ کر دُنیا سے الگ رہنے کا سلیقہ اُنہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

دنیائے انسانیت سے محبت اور خدمت خلق میرا وظیفۂ حیات رہا ہے۔ روح انسانی کی تعمیر میں مدد دینا میرے اساتذہ ہی کی دین ہے چنانچہ میں نے اسی لئے پیشۂ استاد کو اپنایا اور پچاس برس تک تعلیم دی۔ یہ میں نے آخرت کے لئے Saving Account کھولا تھا۔ ۲۰۰۵ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری بیگم کو اپنے گھر اور دیار حبیب بلا کر وہ اطمینان دلایا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میرا کلام کسی کے کام آسکا تو یہ میری خوش نصیبی ہے۔

سلطان الحق شہیدیؔ

حمد

تو وہ اوّل ہے کہ تیری ابتدا کوئی نہیں
تو اَبد ایسا کہ تیری انتہا کوئی نہیں

تو اکیلا ہے خدا تجھ سا خدا کوئی نہیں
بندہ پرور تو ہی تو ہے دوسرا کوئی نہیں

سانس ہو یا جان ہو یا روشنی آنکھوں کی ہو
ہیں یہ وہ اسرار جن سے آشنا کوئی نہیں

تو وہ کاری گر کہ ہے تخلیق تیری کائنات
تو ہے رب العالمین ہمسر ترا کوئی نہیں

عرشِ اعلیٰ ہو کہ ہوں افلاک یا روئے زمین
تو وَرا ثُم الورا تجھ سے ورا کوئی نہیں

مال و دولت رشتہ و پیوند ہے سارا فریب
یہ حقیقت ہے۔ مرا تیرے سوا کوئی نہیں

آگہی سے تو مری واقف ہے اے ربِّ ودود
تجھ سے میرا ماجرا ہے ماجرا کوئی نہیں

گونجتی رہتی ہے ہر سو اک صدائے لاالہ
ہیں سبھی فانی یہاں رہتا سدا کوئی نہیں

عاجز و لاچار بندے درد و دُکھ رکھتے ہیں سب
بس ترحّم سے ترے بڑھ کر شفا کوئی نہیں

کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے
جانتا ہے تو ہی تو تیرے سوا کوئی نہیں

تیری تعریفیں تری مخلوق سے کیا ہوں بیان
عقل و دانش کچھ بھی ہو تجھ تک رسا کوئی نہیں



سلام علیک

خواجۂ دو جہاںؐ سلام علیک
باعثِ کُن فکاںؐ سلام علیک

مرجع قدسیاں سلام علیک
سرورِ سروراںؐ سلام علیک

فخر آدم ہے آپؐ کی سنت !
صدر پیغمبراںؐ سلام علیک

حشر کا اعتبار آپ سے ہے
شافع عاصیاںؐ سلام علیک

نہ خدا کا نہ آپ کا ثانی
نور حق نورِ جاںؐ سلام علیک

آپ کا نام بحر ہستی میں
ناو کا بادباں سلام علیک

خوشبوئیں آپ کی بکھیرے ہیں
گل ہو یا گلستاں سلام علیک

تازہ کاری ہے علم و عرفاں کی
آپؐ سے بے گماں سلام علیک

آپؐ کی یاد سے سجایا ہے
اپنے دل کا مکاں سلام علیک

آپؐ کا ذکر روح کی تسکین
روح ہر انس و جاںؐ سلام علیک

جو ہُوا آپؐ کا ۔ نہیں اس کو
فکر سود و زیاں سلام علیک

ہے مری زندگی کا سرمایہ
تابہ حدِّ گماں سلام علیک

صدق و عدل و حیا جوانمردی
آپؐ کے ترجماں سلام علیک

نگہت و نور اور مٹھاس لئے
آپؐ کا ہر بیاں سلام علیک

کرۂ ارض ہو کہ ہوں افلاک
آپؐ سے ضوفشاں سلام علیک

ظلمت انساں کے دل سے کردی دور
اے فروغِ جہاںؐ سلام علیک

ہے شہیدؔی پہ یہ عنایت خاص
ہے جو وردِ زباں سلام علیک



اب وہ ہم سے ملا نہیں کرتے
ہم بھی ان سے گِلا نہیں کرتے

غم گساری بجا ہے لیکن دوست
زخم دل کے سِلا نہیں کرتے

کب سے خاموش ہے رباب حیات
تار دل کے ہلا نہیں کرتے

چند غنچے تھے آرزوؤں کے
جو ابھی تک کھِلا نہیں کرتے

گرچہ محسن نہ محترم ہیں اب
ہم شہیدیؔ گِلا نہیں کرتے





آؤ طرح زندگانی ڈال دیں
پھر تلاش خوشۂ گندم کریں

لوگ حسن یار کی باتیں کریں
اور ہم آنکھوں سے آنسو پونچھ لیں

ہے تقاضائے محبت زندگی
بے بسی میں بے کسی میں بھی جئیں

درد الفت نے دیا احساس زیست
ورنہ کچھ مشکل نہ تھا مرنا ہمیں

فطرتِ آدم نہ ہوتی بے قرار
کون کہتا ہم سے مر کر بھی جئیں





تیری جفا نے جس کو بیاباں بنا دیا
خونِ وفا نے میرے گلستاں بنا دیا

سربستہ راز ہائے محبت کھلے ہیں آج
کس کی نظر نے صاحب عرفان بنا دیا

ہر کعبہ و بتخانہ کو میں بھول گیا ہوں
جب سے کہ تجھ کو کعبۂ ایماں بنا دیا

بے چین دل کو کشمکش زیست ہے حیات
کیوں تو نے میرے درد کا درماں بنا دیا

اے رب کائنات تیری دل لگی کی خیر
مٹی کے ایک پتلے کو انسان بنا دیا





پیئے ہم نے تھے جتنے جام محبت
مگر پھر بھی ہیں تشنہ کام محبت

چلی جو چلی دل پہ گذری جو گذری
بیاں کیا کریں انتقام محبت

گناہوں کی تاثیر کعبہ سے پوچھو
ہوا سنگ اسود رُخام محبت

نہ کہتے محبت بُری ہے اگر وہ
کبھی دیکھتے صبح و شام محبت

ازل سے نمو اس کی ہوتی رہی ہے
ابد تک رہے گا قیام محبت





بے ہنر دیدہ ور نہ ہو جائے
قوم پھر در بدر نہ ہو جائے

شیشۂ دل ہی جب نہ ٹوٹا ہو
آہ کیوں بے اثر نہ ہو جائے

دوستوں کو ہے میرے یہ خدشہ
مفلسی پردہ در نہ ہو جائے

تاب دیدار ان کی آمد پر
قصہ ہی مختصر نہ ہو جائے

دیکھ وہ محو استراحت ہیں
دل کی دھڑکن خبر نہ ہو جائے

آج الٹی ہے عشق کی تاثیر
خاک دل کا گہر نہ ہو جائے

ابن آدم کا دیکھیے مسلک
موت کیوں کارگر نہ ہو جائے

راز کی بات کہہ رہا ہوں میں
باعثِ شور و شر نہ ہو جائے





جو منزل بشرط سفر دیکھتے ہیں
وہی دوست فتح و ظفر دیکھتے ہیں

بہار چمن کے یہ آثار ...... تیرے
تبسم کا حسن اثر دیکھتے ہیں

قفس میں تو ہے شوق گلگشت ہم کو
مگر خود کو بے بال و پر دیکھتے ہیں

یہ دھوکہ ہے منزل کہاں ہے یہاں ہم
چراغ اِک سر رہگذر دیکھتے ہیں

جہاں خضر قاصر وہاں دسترس یہ
مشال صباہم گذر دیکھتے ہیں

یہ مانا رواں ہے دواں ہے جواں ہے
مگر زندگی مختصر دیکھتے ہیں





شاذ ہی کوئی آ سکا سرِحد شہریار میں
قافلے لٹ گئے بہت شوق کی رہگذار میں

عقل و خرد کے مرحلے ہو گئے طے بہار میں
جوش جنوں کو دیکھئے جامۂ تارتار میں

وقت ہے وقت واپسیں خوب ہوا نہ آئے تم
جان سی جان پڑ گئی لذتِ انتظار میں

میرے دیار کاشمیر تجھ پہ نثار ہو جہاں
آج وہ دل کشی کہاں؟ تھی جو تیری بہار میں





کم نصیبوں سے بے نیازی ہے
خوب! یہ ان کی نئے نوازی ہے

بزم گیتی میں حسن برہم کی
فتنہ بازی ہی فتنہ بازی ہے

وحشت شوق کی کرامت سے
لرزہ بر قصر چارہ سازی ہے

بدگماں ان سے کون ہو جاتا
جن کے ہاں خوئے دلنوازی ہے

مسلک شوق کی یہ نیرنگی
غزنوی داخل ایازی ہے

اہل حق نے ہمیں یہ سمجھایا
سر کٹانا ہی سرفرازی ہے





موجوں کی کشاکش میں پل کر ساحل کی تمنا کون کرے
اے جہد وعمل کے متوالو! دنیا سے کنارا کون کرے

خُم جن کیلئے کم ہوتے ہوں اک جام سے انکو کیا مطلب
اب تو ہی بتادے اے ہمدم قطروں پہ گذارا کون کرے

ہیں دست وگریباں اہل چمن ہر ایک روش سوزاں سوزاں
پابند سلاسل ہے مالی دلدوز نظارا کون کرے

یہ بات شہیدؔی نے کہہ کر لی راہ محبت کی بڑھ کر
مرنا ہی جو ٹھہرا زاد سفر جینے کی تمنا کون کرے





تیرا دامن میرا مامن
اور زمانہ سارا دشمن

راہ محبت توبہ! توبہ!!
اول آساں آخر الجھن

جب بھی ان کی یاد آئی ہے
تیز ہوئی ہے دل کی دھڑکن

روئے سخن ہے میری جانب
اور مخاطب کوئی چلمن

برق تبسم اللہ! اللہ!!
خاک ہوا ہے ہوش کا خرمن

روٹھ گئیں ہیں مجھ سے بہاریں
دیکھے جب پاؤں میں بندھن

شام الم کا پاس ہے آخر
کیوں نہ کروں میں آہ و شیون

دیکھو ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے
یارو عزم و عمل کا دامن





تسکینِ وطن تزئینِ چمن تجدیدِ بہاراں کون کرے
تاریکیٔ منزل میں ہمدم اک جشنِ چراغاں کون کرے

ہر پھول کھلے شبنم بھی ہنسے کلیوں پہ تبسم رقصاں ہو
خوشبو سے معطر ہو گلشن یوں جشنِ بہاراں کون کرے

جگنو کو سمجھتے ہیں تم ہو وہ جوشِ جنوں وہ آنکھ کہاں
جان اپنی نچھاور تجھ پہ بتا اے شمعِ شبستاں کون کرے

ہم اہلِ جنوں تو آئے ہیں دنیائے محبت سے لڑ کر
وہ فکر میں بیٹھے کہتے ہیں اب چاکِ گریباں کون کرے





جو آغاز گل سے ہوا آشکارا
اس انجام بلبل کو ہم دیکھتے ہیں

جہاں میں ابھی تک یہ نادار بندے
کرم گستروں کا کرم دیکھتے ہیں

یہ عزم و عمل کی ہے معراج یارو
کہ منزل کو زیر قدم دیکھتے ہیں

یہ محنت یہ ہمت یہ جذبے کی عظمت
بیاباں کو رشک ارم دیکھتے ہیں

شہیدیؔ جوانان اہل وطن بھی
تمہارا ہی نقش قدم دیکھتے ہیں





جب اپنے حال پر ہم نے نظر کی
تمنائے دو عالم ...... مختصر کی

زمانہ کررہا ہے پوسٹ مارٹم
حقیقت کھل گئی میرِ سفر کی

نہ جانے کب کھلے چشم بصیرت
ہراک مزدور مفلس پیشہ ور کی

طلاطم خیزیاں مت پوچھ ہمدم
کسی کی وحشتِ الفت اثر کی

تمہارا حسن اے ماہ منور
کشش کا راز ہے مدوجزر کی

شہیدی شعر کیا تم نے سنائے
کھٹک سی ہے دلوں میں نیشتر کی





زندگی ہے ایک بحر بے کراں کا اضطراب
ہو سکے حاصل سکوں جس پر یہ وہ ساحل نہیں

ہے حقیقت میں ہماری جستجوئے روز و شب
ایسی اک منزل کی خاطر جو کوئی منزل نہیں

انتہا جانے خدا کیا ہے ہمارے درد کی
ابتدا میں تو یہ دیکھا ہے قرار دل نہیں

حسرتیں ہیں آرزوئیں ہیں وفا کے ساتھ ساتھ
کیسے کہدوں میں کہ میرا دل بھی اک محفل نہیں

بارہا ان سے کہا تھا ترک الفت کے لئے
خاک ہوجاتا اثر جب خود ہی میں عامل نہیں





مہربانیٔ قہرمانی بہت ہے
بہت آج کل بے زبانی بہت ہے

لبوں پر عنادل کی مہریں لگی ہیں
نظامِ چمن! ظلمرانی بہت ہے

کسی کی مدد کا بھروسہ نہ کرنا
جمع خرچ ان کا زبانی بہت ہے

ہمارے لئے جلوۂ طور ہے کم
تمہارے لئے لن ترانی بہت ہے

سنا ہے تیرے سست گاموں کی خاطر
یہی مختصر زندگائی بہت ہے

جبیں سے گرے کیوں نہ غرق ندامت
کہوں کیا جوانی دوانی بہت ہے

تجھے حسرتوں کے حوالے کیا ہے
تمہاری تمنا نشانی بہت ہے

زیادہ جوانمرد کو چاہیے کیا
ہراک گام پر کامرانی بہت ہے

نظر دل تخیل سبھی جل رہے ہیں
محبت کی شعلہ فشانی بہت ہے

فقط حسن والفت کی باتیں نہیں ہیں
دل تفتہ دل کی کہانی بہت ہے





زُلف پیچاں چشم فتاں تیر مژگاں دیکھئے
بعد میں میرے جگر کے زخم خنداں دیکھئے

دے رہا تھا رات کو جُل زاہد شب زندہ دار
کہہ رہا تھا باغ رضواں حور و غلماں دیکھئے

ہم بھی ناصح تھے کبھی کیا ہم کو یہ معلوم تھا
آج اوروں سے کہیں گے حسن خوباں دیکھئے

بے خبر تھا آج کے دستور سے جب سچ کہا
گھیر کر کہتے ہیں مجھ سے باب زنداں دیکھئے

آپ سے پوچھے اگر کوئی مآلِ شام غم
صاف کہہ دیجیے کہ روئے صبح خنداں دیکھئے





مسیحا کی مسیحائی کے یوں تو ہم بھی قائل ہیں
جو میرے درد کا درماں بھی بن جاتے تو کیا ہوتا

غم دنیا میں اپنی زندگی سے کھیلنے والے
دیار شوق میں بھی سیر کو آتے تو کیا ہوتا

کبھی آشفتگان کوئے جاناں وقت آنے پر
غم دنیا کے طوفان سے بھی ٹکراتے تو کیا ہوتا

گلوں کو چھوڑ کر کانٹوں پہ چلنا سیکھ لیتے ہم
خرد کی تنگ دامانی پہ شرماتے تو کیا ہوتا

دروں بینی نے ذوق دید کی تولاج رکھ ہی لی
جو ہم اپنا تماشا آپ بن جاتے تو کیا ہوتا

بجا ہے آرزوئے روئے لیلےٰ دوستو لیکن
جو ہم اپنی تمنا آپ بن جاتے تو کیا ہوتا





اگرچہ زخمی جگر کے باعث لہو نکل کر وہ دم نہیں ہے
مگر ہم اس پر بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم یہ مشق ستم نہیں ہے

فزوں فزوں خلش دل ہے میری نفس نفس شعلہ وشرر ہے
نثار ہو جاؤں حسن ظن پر میں کیسے کہہ دوں کرم نہیں ہے

جواں جواں ہے مری محبت قدم قدم رقص موج الفت
خوشی خوشی غم قبول کر کے غموں کا اب کوئی غم نہیں ہے

تھکی تھکی سی فضائے دل ہے رُکی رکی سی ہے نبض فطرت
یہ کون کہتا ہے نظم ہستی میں کوئی پیچ اور خم نہیں ہے

حسین صبحوں حسین شاموں حسین دن رات پر ہوں قرباں
تمہارے جلووں کی نور پاشی فضائے عالم میں کم نہیں ہے





عقل کو آشفتگی سے کیا غرض
اہل دل کی دل لگی سے کیا غرض

پھر بھی وہ محتاج ساقی ہوگیا
جام مے کو تشنگی سے کیا غرض

ٹھیک سمجھا ہے نظام کہنہ کو
مردہ سر کو تازگی سے کیا غرض

مست ہو جو اپنے جلوؤں میں اسے
آپ کی تابندگی سے کیا غرض





کسی ظالم کو ہمدرد جہاں کہنا نہیں آتا
کسی رہزن کو میر کارواں کہنا نہیں آتا

خلاف مصلحت ہی ہے مجھے معلوم ہے لیکن
کسی گلچین کو اب باغباں کہنا نہیں آتا

گذر قید و قفس دار ورسن کی منزلوں سے ہے
زمین کی پستیوں کو آسماں کہنا نہیں آتا

وہ خود دردجگر دردِجہاں پالے رہا برسوں
شہیدؔی تفتہ دل کوخستہ جاں کہنا نہیں آتا





اہل ہمت ایک پل میں آگئے منزل کے پاس
اور بس اک شکوۂ بیداد ہے کاہل کے پاس

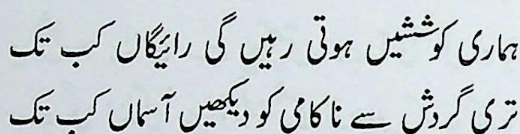
جانے کتنی محفلیں تاراج ہوجانے کے بعد
اک متاعِ یاد ہے اب اضطراب دل کے پاس

میری حق گوئی کا ادنےٰ معجزہ ہے ''انقلاب''
''گردش گردوں'' ہے شاید حکمت باطل کے پاس

منزل مقصود کی خاطر گذر طوفان سے
مل نہیں سکتا ہے یہ گوہر کسی ساحل کے پاس

اک پھریری لے کے اڑتا توڑتا بند قفس
یہ تمنا رہ گئی ہے طایر بسمل کے پاس!





ہماری کوششیں ہوتی رہیں گی رائیگاں کب تک
تری گردش سے ناکامی کو دیکھیں آسماں کب تک

یہ اپنی بے زبانی ہے زبانِ حال سے گویا
خموشی سے بھی ہو جاتا نہ اظہار بیاں کب تک

یہ مانا میں نے دل کی بات کہہ دیتے ہو عالم کو
مگر ہمدم باندازِ حدیث دیگراں کب تک

دلوں میں ولولے پیدا کرو آفاق گیری کے
جبینِ شوق کی خاطر فقط ایک آستاں کب تک

الٹ دیں گے بساط میکدہ وہ وقت آتا ہے
بتاؤ بھی رہے گی نسبت پیر مغاں کب تک

بدل جائے گا انداز جفا و جور الفت میں
رہیں گے نامہرباں ہم پہ اپنے مہرباں کب تک

بجا ہے آبرو کانٹے گلوں کی لوٹ لیتے ہیں
مگر دیکھیں کہ رہتا ہے رواج گلستاں کب تک

یہ شیخ و برہمن سے پوچھتی ہے آج کی دنیا
رہے گی زندگی دیر وحرم کے درمیاں کب تک

چمن والو! مبارک ہو تمہیں یہ نغمۂ شادی
اسیروں کی بھی ہے آہ وفغاں ٹھہری زباں کب تک

مسرت کی قسم صبح مسرت آن پہنچی ہے
ترے ماتھے کی تنویریں نہ ہوجاتیں عیاں کب تک

شعور وعزم وہمت سے سبق حاصل کرو تم بھی
نئے رستوں کے خالق دیکھتے پائے نشان کب تک

یقین رکھتا ہوں میں دست عمل کی حسن کاری پر
میرے دل میں رہا اندیشۂ سود و زیاں کب تک

وہ اونچی ہی نہ ہو کیوں کر جہاں پکوان پھیکا ہو
خدا کے واسطے کہدو چلے گی وہ دکاں کب تک

فراز فکر ہی سے عظمت فن کار ہوتی ہے
فقط ذکر محبت ہی رہے ورد زباں کب تک





مکاں کیا شئے ہے اب تو لامکاں تک بات جا پہنچی
ہمارے سوزِ دل سے غیب داں تک بات جا پہنچی

ہماری تیز گامی کے ہوئے تھے راہ رو قایل
سنا ہے اب امیرِ کارواں تک بات جا پہنچی

یہی ہے تیرے ہونے کے یقین کی انتہا شاید
جہاں سے پھر مری حدِّ گماں تک بات جا پہنچی

پرے ہٹ جا خلاؤں میں کوئی ہنگامہ آرا ہے
ثریا کی زبانی کہکشاں تک بات جا پہنچی

گرے پڑتے ہیں ایواں خون کس کا رنگ لایا ہے
شہیدیؔ کس کے قلبِ ناتواں تک بات جا پہنچی





اہل ہنر ہیں شمع فروزاں
اوروں کی زینت خود اپنا نقصاں

سوز یقیں سے ہمت کے فن سے
ہو جو بھی مشکل ہوتی ہے آساں

تابندہ تر ہے اس کا ستارہ
جس کے ہنر سے حاصل ہو عرفاں

ظلم و جفا کے دیوو خریدو
میرا لہو ہے ہر وقت ارزاں

مجھ کو مبارک آشفتہ حالی
جس نے سکھائے اسرار پنہاں

لاتا نہیں ہے خاطر میں اپنی
آلام دنیا مرد مسلماں

میں جل رہا ہوں آتش میں اپنی
تو ڈھونڈتا ہے شمع فروزاں

اک دور ایسا آئے گا ہمدم
انساں ہی انساں دیکھیں گے انساں





جو بلبل گل پہ شیدا ہوگئی ہے
تو شیدائی تماشا ہوگئی ہے

تمناؤں کے تارے ٹوٹ کر ہی
سکوں کی صبح پیدا ہوگئی ہے

حقیقت کو چھپانے ہی سے حضرت
حقیقت آشکارا ہوگئی ہے

مجھے مرگ مسلسل کی اذیت
بہت پہلے گوارا ہوگئی ہے

اجڑتا دیکھتا ہوں رنگ محفل
سحر شاید ہویدا ہوگئی ہے

کسی سے کیا کہوں اب حال اپنا
شکست دل ہویدا ہوگئی ہے





زمانے کی عنایت ہے ترا انعام ہے ساقی
ہمارے دل میں اب بھی حسرت ناکام ہے ساقی

کسی کی اک نظر سے جو کبھی سینے میں تڑپا تھا
وہی دل اب حریف گردش ایام ہے ساقی

زمانہ آج جیتے جیتے خود ہی تنگ آیا ہے
بتاؤ کچھ علاج شورش آلام ہے ساقی

محبت حاصل انسانیت ہے بزم ہستی میں
یہی انسان کی خاطر مرا پیغام ہے ساقی





وہیں تو گردش برق تپاں ہے
کہ جس ٹہنی پہ میرا آشیاں ہے

بڑھادی ہے نہ جانے کیا سمجھ کر
وگر نہ مختصر یہ داستاں ہے

نہ جانے کیا ہوا نظم چمن آج
لب بلبل سے گم آہ و فغاں ہے

طلبگار حقیقت عشق ہی میں
مقام زندگی کا رازداں ہے

شہیدیؔ کو سنا ہے آپ نے بھی ؟
ہمارے شہر میں اک نکتہ داں ہے





امتحاں سب کچھ ہے لیکن ہم نشیں حق بات ہے
پیش مردان ہنر مند امتحاں کچھ بھی نہیں

رستمی سیماب دل ہو مسکن برق و شرر
دوستو پھر زندگی کے ہفتخواں کچھ بھی نہیں

دائمی لذت کشی کے واسطے کافی ہے غم
طائیران خوشنواؤ گلستاں کچھ بھی نہیں

ہو دلوں میں گر یقین آمد فصل بہار
دوست پھر تو آج کا دور خزاں کچھ بھی نہیں

جادۂ راہ محبت پر ہوئے ہیں گامزن
فکر واندیشہ غم سودوزیاں کچھ بھی نہیں

فاش ہے سر نوائے داستان درد نے
یعنی گلشن کی ہراک شے جزبیاں کچھ بھی نہیں

اصل میں ہے کہکشاں اک آس کی ننھی کرن
یاس کی تاریکیوں میں ضو فشاں کچھ بھی نہیں؟

ہے فقط میری نوائے درد کی پرسوز لے
حاصل عمر رواں ورنہ یہاں کچھ بھی نہیں

ہے یہی میرا عمل حاصل ہوا تجھ کو فروغ
ورنہ ظاہر تھا ترا نام و نشاں کچھ بھی نہیں

جان ہے سب کچھ اسی سے ہے وجود کائنات
اور تیرے پیکر خاکی میں جاں، کچھ بھی نہیں ہے

تھے برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دل سے دور
ہوں نہ دل کے پاس تو محفل کی جاں کچھ بھی نہیں

ہیں ستارے میری آہوں کے شراروں کا ہجوم
سوئے چرخ نیلگوں وہ کارواں کچھ بھی نہیں

نور پاشی ہو تری فطرت کہ تو خورشید بن
ظلمت شب میں فقط سحر بیاں کچھ بھی نہیں

گلستاں دہر میں ہے حاصل کشت حیات
اضطراب دل فقط آرام جاں کچھ بھی نہیں

منتظر ہے اک نئے آدم کی شاید سرزمین
کہنہ انساں آج کے شایان شاں کچھ بھی نہیں

تلخیٔ مۓ گردش ایام کافی ہے مجھے
کم نظر! دونوں کی خاطر نقد جاں کچھ بھی نہیں

وسعت نظری کی مجھ کو داد دیں کیا کم نظر
یہ زمین یہ آسمان یہ لامکاں کچھ بھی نہیں

ہے متاح بلبلاں گل گوش برآواز ہیں
آہ! تو نے کیا کہا اردو زباں کچھ بھی نہیں





تگ و دو پہ ہے منحصر اس کا پانا
زمین پر بھی ہے عرش کا آب و دانہ

نئی منزلوں پر کُھلی یہ حقیقت
کہ راہی کا ہوتا نہیں ہے ٹھکانہ

میں جب سے ہوا بندۂ حضرت حق
مری بندگی کررہا ہے زمانہ

نظام جہاں یوں بدلتا ہے ہمدم!
رگ تاک سے جوں شراب شبانہ

میری وسعتوں میں ہوا لامکاں گم
مرا حرف شیریں ہے پیغمبرانہ

کہاں تک چلے گی یہ آئینہ سازی
ضرورت ہے اک فکر آدم گرانہ

میرے دل کی دھڑکن کی ہے ترجمانی
لبوں پر عنا دل کی ہے جو ترانہ

سنبھالو میری شوخیوں کو سنبھالو
کہ ہیں زینت اِنقلاب زمانہ

مسلسل بڑھی جارہی ہے ابھی تک
شہیدؔی جفا کاری آمرانہ





اہل چمن کی مانگ کیا ہے کچھ خبر نہیں
یہ بات عام ہے کہ کوئی دیدہ ور نہیں

وہ دردِ لازوال متاع گراں بہا
کافی ہے میرے واسطے گو سیم و زر نہیں

بے روح رقص و رنگ پر قربان ہو گئے
خوددار خودشناس اور جو خودنگر نہیں

جو عازم سفر ہیں نظام عمل کے ساتھ
ان کو کبھی بھی فکرِ شکست و ظفر نہیں

ہے مختصر سی بات شہیدؔی نے جو کہی!
جس بات میں خلوص ہو وہ بے اثر نہیں





بفیض نظم میخانہ بغاوت پر ہیں آمادہ
وہ رندِ کم نظر جن پر تری تاخیر ہے ساقی

شگوفے کھل رہے ہیں جان آتی ہے درختوں میں
مگر ٹوٹی ہوئی ٹہنی بڑی دل گیر ہے ساقی

عروج تشنہ کامی سے ہمارے دل تڑپتے ہیں
تمہاری اک نظر ہم کو بڑی اکسیر ہے ساقی

زمانہ دیکھتا ہوں مائل تخریب ہستی ہے
مرے دل میں مگر اک حسرت تعمیر ہے ساقی

جہاں کا ذرہ ذرہ مائل پرواز دیکھا تھا
مگر انسان آپس میں گریباں گیر ہے ساقی

جو دنیا کی ہر اک شے مسکرا کر کھلکھلا اٹھے
تو یہ سمجھو کہ میرے خواب کی تعبیر ہے ساقی

سہارا ہے اسی کا ورنہ کب کے مر چکے ہوتے
شب غم میں بس اک امید کی تنویر ہے ساقی

ضرورت ہے عمل کے ساتھ ہو کچھ کچھ بصیرت بھی
اسی حکمت سے حاصل اپنی جوئے شیر ہے ساقی

جو زرداروں کی جنت ہے غریبوں کا جہنم ہے
وہی میرا وطن ہے وادیٔ کشمیر ہے ساقی

نکھرتا ہے شعور نغمہ کہدو اہل محفل سے
میرا ہر شعر اب کے درد کی تفسیر ہے ساقی





جب تک رہے گی ہمت مردانہ سلامت
یونہی گذرتی جائے گی ہرایک قیامت

ہشیار ہو! ہشیار! یہ کہتا ہے زمانہ
منظور نہیں ہے مجھے انسان کی غفلت

معصوم رعایا ہیں کیا؟ مہرے ہیں میرے دوست
اورشاطر چالاک ہیں ارباب سیاست

میں بار بار سوچ کے حیران رہ گیا
تعلیم پھیلتی ہے یا بڑھتی ہے جہالت

شاباش! مرحبا تجھے، اے مردِ جواں کار
ماضی کی طرح آج بھی حاضر ہے غنیمت

ہے تجھ کو دُکھ کہ شمع فروزاں ہوئی ہے گُل
غافل یہی تو ہے سحر ہونے کی بشارت





لینا دل ناکام سے بھی کام چاہیے
ہم میں شعور لذت آلام چاہیے

رندوں کو بخش دے جو غم کائنات دل
ساقی! تمہاری بزم میں وہ جام چاہیے

نیند آگئی فسانۂ رخسار و زلف سے
بیداریوں کا بھی کوئی پیغام چاہیے

ذوق شعور اس سے نکھرتا ہے اور بھی
کچھ اور تیز گردش ایام چاہیے





ساز دل بجتا تھا لیکن آہ! اب خاموش ہے
اور اس خاموش ہونے کا بھی کس کو ہوش ہے

درد دل درد جہاں اور خواہشات ناتمام
اس قدر بارالم سے سروبال دوش ہے

ہوں جو طوفانی عزائم ہو جو ایمان خلیل
ہر جہنم زار تیرے سامنے گلپوش ہے

جھوم اٹھی ہے فضائے دو جہاں میرے لئے
یہ وہی دم ہے کہ جس دم دوست ہم آغوش ہے

اے شہیدیؔ! یہ ہمارے دیدہ ور ہیں راہبر!
چشم برآواز نظّارے پہ جن کا گوش ہے





در پردہ اس کے نور ہے ظلمت کہیں جسے
یعنی وہ شب کی آخری ساعت کہیں جسے

در در کی ٹھوکروں نے سنبھلنا سکھا دیا
احسان واردات فلاکت کہیں جسے

آتا ہے یاد وادئ فرقت میں ایک شخص
اک معجزہ حسن و نزاکت کہیں جسے

اے ناصمو! وہ ناخن تدبیر ہے کہاں
وہ چارہ گری یعنی رفاقت کہیں جسے

گم ہوگئی ہے بربط صدق وخلوص سے
نغمات جذب وشوق کی کثرت کہیں جسے





آنکھ جو اشکبار ہوتی ہے
نازش گلعذار ہوتی ہے

عشق میں اہل دل کی رسوائی
باعث افتخار ہوتی ہے

پوچھ مت کیا ہے مستیٔ صہبا
مرہم دل فگار ہوتی ہے

تھی جو کل تک نوائے غم وہ آج
نغمۂ نوبہار ہوتی ہے

چیز جو پائیدار تھی کل تک
آج ناپائیدار ہوتی ہے

دوستو! پا کے منزل مقصود
زندگی زرنگار ہوتی ہے





ہوئی جو آشکارا مصطفائی
نظر آئی ہمیں تیری خدائی

نہیں کچھ رسم زہد و پارسائی
طریق آدمیت کبریائی

ہماری عاجزی نے بندگی نے
جلادی تجھ کو اے کافر ادائی

تصور میں ترے ماضی کے قصے
سنا دیتا ہے پیک نارسائی

دہکتی آگ پر منڈلا رہے ہیں
زیادہ فکر ہے جن کو پرائی

جہاں پرسوز تھیں پہلے ہی گلیاں
وہاں شر خیز ہے عالم فضائی

ہجوم ظلم سے گھبرا رہا ہوں
ضمیر زندہ کر مشکل کشائی

مرے شعروں میں کچھ بدلی ہوئی ہے
سرودِ سرمدی کی کیف زائی





ہے یہی میرا پیام چھوڑ تمنائے خام
ڈھونڈ رہے ہو اگر عیش جہاں کا دوام

مردِ مجاہد سے پوچھ اس کی حقیقت ہے کیا
رفعت منزل حلال رجعت منزل حرام

عشق ہے سوزِ حیات حسن ہے سازِ حیات
یہ بھی ابھی ناتمام وہ بھی ابھی ناتمام

پیر کلیسا ہوا دیر وحرم کا نقیب
دیر و حرم میں رہے نام کے باقی امام

فکر و شعور و نظر جس کے خداداد ہوں
لحظہ بہ لحظہ وہی دیکھتا ہے صبح و شام

گرچہ ہٹایا گیا راہ وفا سے ہزار
طائیران سخت کوش آ نہ سکے زیر دام





کیا کیا ستم کیے ہیں گوارا نہ پوچھیے
عیش و طرب سے کر کے کنارا نہ پوچھیے

خون جگر کی عام نوازش کے باوجود
کیسے چلا رہا ہوں گذارا نہ پوچھیے

صدق وصفا کی بات ہی کچھ اور ہوگئی
ہے مصلحت کا ہرسو اشارہ نہ پوچھیے

طوفان جوش و ہوش نے روکے میرے قدم
اک دلنواز نے ہے پکارا نہ پوچھیے

پردیس میں ہے آس لگائے عمل کے ساتھ
اک درد و ہجر و سوز کا مارا نہ پوچھیے





میری نظر میں سارا زمانہ
تیری حدیثیں بس دلبرانہ

جذب دروں ہو جب والہانہ
تب تو نوائیں ہیں عاشقانہ

عرفان ہستی مقصود انساں
اِتنی حقیقت باقی فسانہ

واقف ہوا جو رمز عمل سے
صید زبوں ہے اس کا زمانہ

ساقی بھی محتاج اس کی نظر کا
رندی کے فن میں ہے جو یگانہ

تم کو خبر ہے اے شیشہ سازو
خارا تراشی کا ہے زمانہ

حرف غلط تھے لوح جہاں پر
جن کا عمل تھا اسکندرانہ

خود ہی متاع گلشن گنوادی
ہے جور گلچین بس اک بہانہ

میں سوچتا ہوں کیسے سحر ہو
تجھ کو ہے فکر بزم شبانہ





وہ دن گئے کہ عیش فراغت کہیں جسے
اب سوز کررہا ہے کفالت کہیں جسے

کیا کیا عیاں ہوئے ہیں زمانے کے حادثات
عسرت کے جام جم کی عنایت کہیں جسے

مجھ کو ہے واردات محبت کا احترام
افسانۂ حیات کی زینت کہیں جسے

گلشن میں شکستن ہی شگفتن کا راز ہے
یہ راز ہے کہ حسن بصیرت کہیں جسے

رگ رگ سے نچوڑے ہے لہو اہل چمن کا
آداب گر انبازئ سطوت کہیں جسے

ظلمات یاس کچھ بھی ہو روشن ہے آفتاب
خون رگ یقیں کی حرارت کہیں جسے





نہیں ہے شان خودداری یہ توہین تحمل ہے
کہ تیرِ غم کے چبھتے ہی کرو مرہم کی تدبیریں

مبارک ہوں تمہیں زنداں کی راتیں اے خردوالو
مرے ذوق جنوں نے کاٹ کر رکھدی ہیں زنجیریں

نئے انداز سے دل کے صنم خانوں کی زینت ہیں
بتانِ ماہ وش کو چھوڑ کر اب ان کی تصویریں

مُسلسل نامرادی کے اندھیروں میں مجھے اب بھی
دکھائی دے رہی ہیں عظمت آدم کی تنویریں

مسلسل انقلابات جہاں کو دیکھتے جاؤ
نئے راہی ۔ نئی منزل ۔ نئی خوابوں کی تعبیریں

ہمارے دم سے ہے ہنگامۂ شام و سحر قائم
کہ خواب حضرت یزداں کی ہیں ہم زندہ تعبیریں





خدا جانے کب تک یہ رہتا سماں ہے
نہ اس کی زباں پر نہیں ہے نہ ہاں ہے

مرے گوشۂ دل میں سمٹا ہے ہمدم
بظاہر غم زندگی بے کراں ہے

ہے مضر اب جذب دروں کی کرامت
کہ اب بربطِ دل بھی شعلہ فشاں ہے

مآل عمل اس قدر اللہ اللہ
ہماری زمیں رشک صد آسماں ہے

جو بیدار کرتی ہے انساں کے دل کو
وہ میری نوا ہے وہ میری اذاں ہے

شہیدیؔ مبارک شہیدیؔ سلامت
تری راستی حق پرستی عیاں ہے





دیکھئے کیا بات ہے کیوں خونچکاں ہے زندگی
آج کل آوارۂ کوئے بتاں ہے زندگی

جوہر ادراک پر ہے منکشف راز حیات
جان لیجیے اضطراب جاوداں ہے زندگی

فرط جور وجبر سے گو اس پہ طاری ہے جمود
آج پھر بھی گفتگوئے بے زباں ہے زندگی

تم اگر اتنا سمجھ پاؤ تو اچھی بات ہے
ہمت مردانہ ہی سے کامراں ہے زندگی

ظلمت باطل میں تو یہ اک جہنم زار ہے
اورنور حق میں فردوس وجناں ہے زندگی

بے دلوں کے واسطے یہ موت کا پیغام ہے
اہل دل کو اک مسلسل امتحاں ہے زندگی

آہنی عزم ویقیں سے جب چلا تھا سوئے دوست
میں یہ سمجھا تھا کہ آخر کامراں ہے زندگی

ناصحا! کیوں پیار کے ساحل پہ آکے رک گیا
اور بڑھ اب ایک بحر بے کراں ہے زندگی

اس طلسم روز و شب کے عرصۂ پُر خار میں
ناقۂ عمر رواں کا سارباں ہے زندگی





آہ! یہ غافل رام اور لچھمن
اور وہ تاک میں بیٹھا راون

آج کا منظر توبہ! توبہ!!
انسان ہے انسان کا دشمن

فاش ہوا ہے راز یہ سب پر
غربت سرمایہ کا ایندھن

دیکھ جنون انساں ہی سے
چاک ہوا یزداں کا دامن

تو بھی حاصل کر وہ قوت
رام ہوں جس سے لاکھوں ارجن

تجھ میں ہمت ہو تو کہدوں
خون بہا کے سینچ لے گلشن

قطرہ؟ قطرہ ایک سمندر
دانہ؟ دانہ بھی ہے خرمن

آگ میں الفت کی پڑنے سے
تپ کر دل ہوتا ہے کندن

اہل نظر کو کام کی باتیں
"بلبل" "مالی" "باغ" "نشیمن"

پیارے لاکھ بچو تم پھر بھی
ڈس لیتی ہے حسن کی ناگن





دل ہے تمہارا دل اگر مرکزِ سوز و ساز کر
حاصلِ سوزوں ساز کو نالۂ جانگداز کر

سینۂ کائنات میں رازِ حیات بن کے رہ
شوق کو لازوال کر درد کو کارساز کر

شانِ کرم پہ رکھ نظر لذتِ جستجو کے ساتھ
روئے سحر کے واسطے گیسوئے شب دراز کر

دل نے لپیٹ میں لیا عالمِ شش جہات کو
دیر و حرم کی قید سے شوق کو بے نیاز کر

حسن بھی کارساز ہے عشق بھی کارساز ہے
چشمِ حقیقت آشنا ان میں نہ امتیاز کر

مری نوا سے آگیا مردہ رگوں میں تازہ خون
تو بھی حمام و مُرغ کو ہمسرِ شاہباز کر





مشکلوں سے واسطہ ہر گام ہے
کیا محبت کا یہی اِنعام ہے

ساغر ومینا ومطرب بزم دوست
کس قدر رنگیں خیال خام ہے

غور سے سنتا ہوں دل کی دھڑکنیں
جیسے ان کے آنے کا پیغام ہے

بے کسی میں جس سے بھی فریاد کی
وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ کو کام ہے

حسن ہے پابند دستور کہن
عشق محنت کش اسیر دام ہے

عشق جاناں کے علاوہ بھی مجھے
ایک درددل ہے جو بے نام ہے

مفلسی میں بھی ہوں محو نائے و نوش
کتنا ارزاں زہر غم کا جام ہے

رنج و غم سوز جنوں عیش و نشاط
اک تماشا گردش ایام ہے

ذکر کس کس کا کروں اے ہم نشیں
ایک دنیا کشتۂ آلام ہے

مہر و ماہ مشتری ساغر بدست
کہہ رہے ہیں آج اذن عام ہے





ہرکس وناکس پہ یکساں کارگر
کس قدر سفاک ہے تیر نظر

خود بخود ساون کی جھڑیاں لگ گئیں
جب کبھی یاد آئی ان کی رہگذر

ملکۂ الفت کے ہیں تمغے جناب
رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر

عاشقی ہے شیوۂ ہرخاص و عام
ہے یہ موجودہ تمدن کا اثر

اب بہت مشکل سے ملتے ہیں کہیں
گیسوئے خمدار بڑھ کر تا کمر

دل جلوں کی بات ہی کچھ اور ہے
ورنہ آہوں میں بھی ہوتا ہے اثر

وہ سبو کہتے ہو تم جس کو خودی
کرگیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر

آمریت کی ہے یہ تجدید نو
راہزن کا جانشیں ہے راہبر

ارتقا کے مدعی سے پوچھئے
آج کل انسان ہے کیوں دربدر

مرد حق کی ضربت کاری کو دیکھ
قیصر و کسرا ہوئے زیر و زبر

زینت بزم جہاں میں شوخ ہوں
گرچہ ہوں تیری نظر میں بے بصر

امن کی کوشش بجا ہے پر یہ سن
ختم ہونے کا نہیں یہ شوروشر

مرحبا اے ہمت گردوں شکن
دیکھتا ہوں انقلاب تازہ تر

ہرگھڑی ہے عالم نو کی تلاش
راس کیا آئے مجھے یہ بحر و بر

اصل میں مرد مجاہد ہے وہی
جس نے دیکھی رزم گاہ خیر و شر

تو بدل دے پہلے اپنی کائنات
دیکھ پھر عالم پہ کیا ہوگا اثر

مت سنا یہ داستاں رفتگاں
ہوسکے تجھ سے بھی کوئی کام کر

رفعت کردار کا بن آفتاب
تا یہ شب ڈھل جائے اورآئے سحر

اے شہید جستجو! افسوس ہے
تونے دنیا کو بنایا مستقر

ہم صفیرو! وہ بھی ہے کوئی نوا
آتش گل ہو نہ جس سے تیز تر

یاد آتی ہے شہیدیؔ کی وہ بات
پیارے اپنی زندگی سے پیار کر





نگاہ اولیں ٹکرا گئی جب
خدا جانے دیا کیا اور لیا کیا

سناتا ہے پیام دوست شاید
ہجوم عطر بردوش صبا کیا

ادب! نوواردان بزم الفت
سمجھنا ہے روا کیا ناروا کیا

فروغ انجمن ہے ذکر ان کا
جمال روئے روشن جا چھپا کیا

ٹپکتی ہے حیات تازہ ان سے
خلوص و دردِ ارباب وفا کیا

جزاک اللہ تیری بے نیازی
کرم غیروں پہ بھی ہے آشنا کیا

جہانِ کشمکش میں ساتھ میرے
تمہارا دوبدو ہونا بُرا کیا

دگرگوں ہورہی ہے ساری محفل
مغنی کی صدائے دلربا کیا

تزلزل عرش پر طاری ہے اب بھی
مرے دست جنون نارسا کیا

سیہ کاری نے بخشی ان کو رفعت
نہیں تو کار ہائے پارسا کیا

عمل کر ہے کلید گنج مقصد
گیا جو وقت پھر ہاتھ آگیا کیا

کسی باذوق عامِل سے تو پوچھو
مقام منزل لاانتہا کیا

تجسس کی قسم ملتے ہیں اکثر
خودی خود آشنائی اورخدا کیا

بلائے جاں ہیں اکثر شعر غالب
عبارت کیا اشارت کیا اداکیا





لے دیکھ لیا ہم نے وہ جلوۂ جانانہ
جبرئیل کی جرأت کیا اے جرأت رندانہ

یہ حسن مجازی بھی وہ حسن حقیقی بھی
جلوے ہیں اسی کے سب اے نقد حکیمانہ

اقدار بدلتی ہیں جب وقت بدلتا ہے
کل تک جو حقیقت تھی وہ بن گیا افسانہ

تسخیر کیا تو نے کونین کا دل لیکن
اک اور قدم آگے اے ہمت مردانہ

وارستہ مزاجی کی کچھ داد نہیں ملتی
اب ان کو بھی تڑپا دے اے نعرۂ مستانہ

ساقی سے بھلا کب تک اصرار کیا کرتے
تعمیر کیا ہم نے اک اور ہی میخانہ

جو ہم پہ گذرتی ہے اک شمع جلانے تک
اس سوز کو کیا جانے یہ سوختہ پرواز

•

وہ سوزِ عمل جس پر جھکتا تھا ہر اک کا سر
تھی شانِ حرم لیکن ہے زینتِ بتخانہ

فرزانہ شہیدیؔ کا کیا پوچھتے ہو ہمدم
وہ شمعِ حقیقت کا پروانہ تھا پروانہ!!





کلفتیں ہوگئیں تمام اکثر
آگیا جب ترا خیال اے دوست

ناتشفی جواب کیا معنی؟
یوں ابھرتے ہیں پھر سوال اے دوست

تلخیاں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں
زندگی بن گئی وبال اے دوست

آہ! دلداریٔ دِل مخروں!!
کرسکے کیا ترا وصال اے دوست

مفلسی کا گلہ نہیں مجھ کو!
ایک دنیا ہے خستہ حال اے دوست

رات رو رو کے صبح ہوتی ہے!
یوں گذرتے ہیں ماہ و سال اے دوست

عظمتیں ہیں کہ مٹتی جاتی ہیں
شوق ہے مائل زوال اے دوست

جو گذرتی ہے ان دنوں مجھ پر
کیا ترا بھی یہی ہے حال اے دوست

موت کی آرزو بجا لیکن
زندگی کا بھی ہے خیال اے دوست

بے کراں ظلمتیں زمانے کی
ڈھونڈتی ہیں ترا جمال اے دوست

ناسخ باطل و ہجوم ظلم!
کیا ہوا وہ ترا جلال اے دوست

ایک مہدی کی منتظر ہے اب
عظمت و شان ہر دجال اے دوست

سن شہیدیؔ ہے بلبل کشمیر
روح افروز خوش مقال اے دوست





جدت فکر کا اظہار کروں یا نہ کروں
وا میں پھر سینۂ اسرار کروں یا نہ کروں

بے نیازی سے بہت کام نکلتے کہیے
اذن دیدار ہے دیدار کروں یا نہ کروں

پھر اسی شورش زنجیر گراں سے پیدا
ترے پازیب کی جھنکار کروں یا نہ کروں

یہ جہاں کیا دل یزداں بھی دہل جائے گا
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں

ایک مدت سے ہے سوسن بھی چمن میں خاموش
اس کو آمادۂ گفتار کروں یا نہ کروں

بے رخی اور بھی بڑھ جائیگی اس سے اے دوست
ذکر آزار دل آزار کروں یا نہ کروں

کیا بتاؤں کہ یہ مرکز ہے ہوس رانی کا
کاخ زردار کو مسمار کروں یا نہ کروں

تازگی اور بھی آئے گی چمن میں اس سے
قلب احباب کو خونبار کروں یا نہ کروں

دیکھ مشرق کی کمیں گاہ سے ابھرا سورج
سونے والوں کو خبردار کروں یا نہ کروں





چارۂ زخم دل فگار کہاں
آہ وہ دوست ہم کنار کہاں

دے دیا دل کو اضطراب دوام
دل ہے دل دل پہ اختیار کہاں

خوب میخانہ ہے بتا ساقی
بادۂ جام زرنگار کہاں

پھر بھی رکھتا ہوں لطف کی امید
میں کہاں ان کی رہ گذار کہاں

ہر قدم سنتے ہیں نغیر الم
ذکر آزادی و بہار کہاں

تیز ہے دھوپ راستے ویراں
سایۂ گیسوئے چنار کہاں

بام ثروت کے خوش نشینوں کے
دامن و جیب تار تار کہاں

عظمت چشم نم بجا ہے مگر
خون دل کی کہیں پھہار کہاں





طوفان بدوش اپنی نظر دیکھ رہا ہوں
دونوں جہاں کو زیر و زبر دیکھ رہا ہوں

آ کاش ترا شیشۂ دل ٹوٹ نہ جائے
میں آہ آتشیں کا اثر دیکھ رہا ہوں

مانا شگفت لالہ و گل ہے روش روش
سوطرح پھر بھی چاک جگر دیکھ رہا ہوں

ساقی لئے آتا ہے مرے پاس جام مے
خورشید بدست نور سحر دیکھ رہا ہوں

اے خالق کونین عنایت کے بھروسے
برہم سا کچھ مزاج بشر دیکھ رہا ہوں

کیوں ناز نہ ہو مجھ کو مرے ذوق یقین پر
آغاز میں انجام سفر دیکھ رہا ہوں

فانوس خرد جل اٹھا شمع جنوں سے دوست
اک آگ سی لگی ہے جدھر دیکھ رہا ہوں

اے مادر کشمیر ترے رند بلا نوش
میخانے لٹاتے ہیں جدھر دیکھ رہا ہوں





فروغ انتہا کا ساز ہوں میں
عروج نقطۂ آغاز ہوں میں

میں ہوں آوارۂ کوئے محبت!!
ہر اک انسان کا دمساز ہوں میں

غریب دل کی اتنی سی جسارت
میرے مولا! ترا ہمراز ہوں میں

ہیں تیرے اور بھی شہکار لیکن
تری تصویر کا اعجاز ہوں میں

مرا ذوق نظر کہتا ہے مجھ سے
بہم یکجا نیاز و ناز ہوں میں

ہویدا اہل دل ہی پر ہوا ہے
سکوت زمزمہ پرواز ہوں میں

مسلسل منزلیں طے ہو رہی ہیں
یہ مانا گو سبک پرواز ہوں میں

سحر دم اے رہین شب ستارے
تری گویائیوں کا راز ہوں میں

ہوئی تخیل کی غم خوردگی دور
متاعِ شعلۂ آواز ہوں میں

شہیدؔی ہر فضائے آتشیں میں
حریف گلشن و گلباز ہوں میں





فکر ناکامی تدبیر کروں یا نہ کروں
ہمنشیں شکوۂ تقدیر کروں یا نہ کروں

درد کی آخری منزل ہے مسرت آگییں
تلخیِ دہر کی میں تفسیر کروں یا نہ کروں

ربط باہم ہی سے ہے ان کے زمانہ قائم
حسن کو عشق سے تعبیر کروں یا نہ کروں

پھر اٹھے گا وہی طوفان حوادث اے دوست
پھر سے دنیا کو میں تعمیر کروں یا نہ کروں

پھر سے مشکوک ہوئے میری محبت کے نقوش
پھر نئے طور سے تحریر کروں یا نہ کروں

شاید اک نسخۂ اکسیر کی صورت نکلے
اس غم دل کی میں تفسیر کروں یا نہ کروں





شعلۂ بے پناہ بن ظلمت بے کنار میں
نقش دوام ہے کہاں تابش مستعار میں

واہ عمل کہ آج میں رنج شکست وریخت سے
داغ سا بن کے رہ گیا سینۂ روزگار میں

صبر و یقیں کی بات تھی دیدۂ حق نگر میں دوست
مجھ کو سکون مل گیا شورش و خلفشار میں

ہو نہ جو درد دل تو پھر خاک ہے زعم خسروی
بات دھری ہے کیا بتا نازش وافتخار میں

اے غم دل ترے نثار تو نے یہ راز کہہ دیا
روح سمو گئی مری نالۂ بے قرار میں





وحدت افکار ہی جب کھو گئی
بزم ہستی منتشر پھر ہو گئی

دیکھ کر انداز تعمیر......نوی!
اہل گلشن پر خزاں بھی رو گئی

اک متاع درد دل مت پوچھئے
دور میں اس زندگی کے کھو گئی

رحمت حق جب بھی آئی جوش میں
داغ دامن سے ہمارے دھو گئی

ڈھونڈنے نکلے ہیں وہ عشاق کو
آج معراج محبت ہو گئی





ان سے ہونا تھا بس مجھے دوچار
پھر نہ پوچھو قرار دل افگار

اک زمانے سے ان کا شیوہ ہے
رنجش دوست پرسش اغیار

بے ثباتی میں ہو ثبات اے کاش
دل سکوں سے مرا ہوا بیزار

کشتی شوق بحر الفت میں
ڈوبتی اور ابھرتی ہے سو بار

مشعلیں رات بھر جلائی ہیں
صبح روشن نے کر لیا اقرار

جانے کیوں راس آگیا مجھ کو
درد دل ہے خرابی بسیار





ذکر ایام ہو کہ تیری یاد
شہرِ دل ہے کہ ہوگیا آباد

ان کی بیداد وقت پر تھی داد
آہ! اب داد بھی ہوئی بیداد

اک ترا نام لب پہ آتا ہے
نغمۂ شوق ہو کہ ہو فریاد

بھول جانا اسے نہیں ممکن؟
ہم جسے بھول کر نہ آئے یاد





ہرداغ داغ شمع شبستاں ہے آج کل
یوں ظلمتوں میں جشن چراغاں ہے آج کل

پھر بن سنور رہی ہے نئی محفل نشاط
ساقی سے خوب وعدۂ وپیماں ہے آج کل

اہل جنوں کے دیدۂ خونبار کی قسم
صحرائے بے کنار گلستاں ہے آج کل

ناکامیٔ وفا بھی بہت کامیاب ہے
جوداغ ۔ داغِ دل ہے فروزاں ہے آج کل

دیکھے بھی کوئی شیوۂ زندہ دلی کا فیض
جودرد ہے قراردل وجاں ہے آج کل

اے دوست تو بھی ساتھ آ گلگشت کے لئے
بزم وطن میں جشن بہاراں ہے آج کل

ہے فیض انقلاب زمانہ کا معجزہ
قطرہ ہے موج، موج بھی طوفان ہے آج کل

اک دھوم مچ رہی ہے سر بزم قدسیاں
زہرہ بھی مشتری بھی غزلخواں ہے آج کل

گذرا تھا میرے قلب و نظر سے بھی ایک روز
ایسا گماں جو نازش ایقاں ہے آج کل

وہ دن گذر گئے کہ جفائیں تھیں بے پناہ
اب رحمت تمام مہرباں ہے آج کل

معراج ہے یہ ضبط و تحمل کے واسطے
سوز جگر بھی عشرت ساماں ہے آج کل

جس مہرِ نو کے واسطے آنکھیں تھیں فرش راہ
اک آب و تاب سے وہ درخشاں ہے آج کل

بخشا ہے پھر کسی نے حیات نوی کا جام
پردوں میں جو نہاں تھا وہ عریاں ہے آج کل

سرمست کیوں ہے روح شہیدیؔ نہ پوچھیے
زیر قدم جو منزل عرفاں ہے آج کل





ہر وہ کہ جس نے زندگی سے پیار کیا ہے
بزم جہاں کو محرم اسرار کیا ہے

ہراک نگاہ ناز کا گھایل ہے دوستو!
ہراک نے وقت وقت پر اقرار کیا ہے

اللہ جذب شوق کا اعجاز دیکھئے
طے دو قدم میں جادۂ دشوار کیا ہے

چھٹنے نہ پائے تھے ابھی گیسوئے یار سے
غم ہائے دوجہاں نے گرفتار کیا ہے

ہیں خوش نصیب جن کو غم دل کے جام نے
میخانۂ حیات میں سرشار کیا ہے

اب کس سے کہیں جا کے محبت کی روئیداد
جو اپنے تھے انہوں نے دل افگار کیا ہے

ہم نے رہ حیات میں کھائی ہیں ٹھوکریں
لیکن ترے لیے اسے ہموار کیا ہے





مری محفل ہے داغ دل سے روشن
وہ میرا مہ جبیں آئے نہ آئے

نگاہ شرمگیں اٹھے نہ اٹھے
پیام دلنشیں آئے نہ آئے

اتاروں گا تری جنت زمین پر
تجھے اس کا یقیں آئے نہ آئے

اسے میں ڈھونڈتا جاتا رہوں گا
نظر پھر بھی کہیں آئے نہ آئے

نئی دنیا کی ہے تعمیر جاری
وہاں بھی نکتہ چیں آئے نہ آئے





بقدرِ غم میسر گر خوشی ہوتی تو کیا ہوتا
ہماری زندگی بھی زندگی ہوتی تو کیا ہوتا

کبھی جس نے دکھائی راہ الفت بزم ہستی میں
دلوں میں اب بھی وہ اک روشنی ہوتی تو کیا ہوتا

یہ مانا شیوۂ الطاف اپنوں سے تو اچھا ہے
جو دشمن سے بھی تیری دوستی ہوتی تو کیا ہوتا

خبر بھی ہے یہ گنجینہ ہے اسرار محبت کا
مرے دل میں نہ اتنی سرخوشی ہوتی تو کیا ہوتا

ہر اک منظر ہے ممنون کرم خون تمنا کا
نہ ہستی میں جو اتنی دلکشی ہوتی تو کیا ہوتا





دل وہ نہیں جو محرم اسرار ہی نہ ہو
یعنی متاع غم کا خریدار ہی نہ ہو

وہ حسن کیا جو مائل پندار ہی نہ ہو
وہ عشق نام کا ہے جو خوددار ہی نہ ہو

مجھ کو ہے تیرے جلوۂ بے باک کی طلب
اے وائے جب کہ طاقت دیدار ہی نہ ہو

اے رحمت تمام! تری رحمت تمام
کیافائدہ ؟ جوکوئی گنہگار ہی نہ ہو

چکی میں پیتا ہے زمانہ مگر ہنوز
جیسے جہاں میں کوئی خبردار ہی نہ ہو





گر پائمال گردش دوراں ہوئے تو ہیں
بربط پہ زندگی کے غزل خواں ہوئے تو ہیں

جن کی نظر غلط تھی قدم بھی غلط غلط
وہ نامراد سر بگریباں ہوئے تو ہیں

ذرّے بھی رشکِ مہر عمل ہی سے ہوگئے
انسان حریف حضرت یزداں ہوئے تو ہیں

وہ اشک خوں کہ جن کی حرارت نہ پوچھئے
افسانہائے زیست کے عنواں ہوئے تو ہیں

پھولوں سے کتنے خوب ہیں وہ خارہائے راہ
جو باعث آرائش داماں ہوئے تو ہیں

اک صبح نو کی دیر تھی لو وہ بھی ہوگئی
راتوں کو بے شمار چراغاں ہوئے تو ہیں

مت پوچھ کیا ہے سوزشِ شبہائے انتظار
جوداغہائے دل تھے درخشاں ہوئے تو ہیں

ہر اک کے لب پہ ذکر شہیدی ہے آج کل
وادی میں ایک صاحب ایماں ہوئے تو ہیں





بے خودی میں بھی ہیں کئی ہشیار
بادہ خواروں کی بات کرتے ہیں

ہم ہیں بدنام آرزوئے جمال
گلعذاروں کی بات کرتے ہیں

راز کھلتا ہے چارہ سازی کا
غم گساروں کی بات کرتے ہیں

یاد آئے ہمیں شہید وفا
لالہ زاروں کی بات کرتے ہیں

کتنے گلچیں ہیں باغ میں مصروف
پردہ داروں کی بات کرتے ہیں

جب بھی کٹتی ہے راہ صحرا میں
مرغزاروں کی بات کرتے ہیں

ارتقا ہے یہ علم انساں کا
کارزاروں کی بات کرتے ہیں

کر کے رسوا زمیں کو اہلِ خرد
چاند تاروں کی بات کرتے ہیں

نسبت شوق ہے شہیدؔی سے
کامگاروں کی بات کرتے ہیں





رخ پہ لہرائے نہ یوں کا کل پیچاں کوئی
یونہی کیوں مفت میں ہوجائے پریشاں کوئی

وحشت درد محبت کا اثر کیا کہیے
سالم آیا نہ نظر ہم کو گریباں کوئی

ملتفت ان کی نگاہیں تو ہوئی ہیں لیکن
دردجاوید کا ہوجائے نہ درماں کوئی!

وصل کی شب کو نہ ملنے کے مزے ہیں کیا کیا
جان سکتا نہیں آسودہ شبستاں کوئی

جب بھی آتی ہے تجھے یاد ہماری اے دوست
تیری پلکوں پہ بھی ہوتا ہے چراغاں کوئی

یہ فقط سوز تمنا کا صلہ ہے ورنہ!
موسم برق میں ہوتا ہے غزل خواں کوئی





ان کی باتیں تمام گوہر بار
جن میں پوشیدہ نافۂ تاتار

پوچھ مت اضطراب محفل کا
جب پریشاں ہوں گیسوئے خمدار

کوئی واقف ملے تو کہدوں گا
لاکھ اقرار ان کا اک انکار

کون سنتا ہے غم کے ماروں کی
آپ کا حکم آپ کی سرکار

خون پی پی کے جی رہے ہیں دوست
ہر زمانے میں جو بھی ہیں خوددار

حسن ظن دیکھئے ہوا عنقا
ہر طرف سوئے ظن کے ہیں انبار

نظم ہستی کا جبر سمجھے خوب
خار گلزار کے ہیں پہریدار

اب بزرگوں کو یہ شکایت ہے
آج ملتے نہیں وہ برخوردار

ماہی سیم و زر پکڑنے کو
جال پھیلائے ہیں سیاست کار

میرے چہرے سے ہے عیاں سب کچھ
کیجئے گا نہ مجھ سے استفسار!!





فطرت کو کیا کروں کہ کہیں بھی نہیں قرار
مثل صبا ہوا ہوں رواں سوئے لالہ زار

ہوتا ہے اپنے گوہر مقصد سے ہمکنار
یعنی جو اپنی بات پر رہتا ہے استوار

ہراک ہے نفسی نفسی کے عالم میں گرفتار
تیرے جہاں میں کس سے کہوں اپنا حال زار

نایاب جنس درد میسر نہ ہوسکی
کہیے جسے سکون تو وہ ہے حسیں فرار

راہ وفا پہ بڑھتے رہے ہیں قدم قدم
پیشانی زمانہ پہ جمتا رہا غبار

یہ دور ارتقائے تمدن کا ہے ندیم
انسانیت کے نام پر انسانیت ہے خوار





دوست کی دشمنی سے واقف ہوں
آپ کی بے رخی سے واقف ہوں

عشق ہے گرچہ اک گل صد برگ
اس کی ہر اک پتی سے واقف ہوں

یہ متاعِ عزیز ہے میری
سوزش دایمی سے واقف ہوں

راس آئے نہ جس کو جنت بھی
دِل کی اس بیکلی سے واقف ہوں

ننگ ظلمت وطن میں آئی جو
اس نئی روشنی سے واقف ہوں

آج کی زندگ پہ ہے یہ بار
آج کے آدمی سے واقف ہوں

ایک شیطان اک فرشتہ ہے
آدمی آدمی سے واقف ہوں

آشنا بھی ہوئے ہیں بیگانے
دوستو مفلسی سے واقف ہوں

کون دیکھے گا پیرہن صد چاک
اپنی اس بے کسی سے واقف ہوں

لمحہ بھر کھل کے خاک میں ملنا
پھول کی تازگی سے واقف ہوں

طور پہ جو نہ پا سکے موسیٰ
دل کی اس سرخوشی سے واقف ہوں

فاش ہیں مجھ پہ راز یزدانی
عظمت بندگی سے واقف ہوں

اہل تنقید مطمئن رہیے
ادب اور زندگی سے واقف ہوں





ہر خار زار رشک گلستاں بنادیا
جوش عمل نے عقل کو حیراں بنادیا

ذوق خراش ولذت آلام پے بہ پے
کس کس کو راہ شوق کا ساماں بنادیا

جب سے عطا ہوئی ہے مجھے کائنات شوق
ذروں کو رشک مہر درخشاں بنادیا

جس پر نہ آشکار ہوا زندگی کا راز
عیش ہوس نے اس کو تن آساں بنادیا

ہم نے ازل سے درد و خلوص و وفا کے ساتھ
ہر حادثے کو زینت دوراں بنادیا

باصد ہزار راحت و سامان دل کشی
کیا چیز ہے کہ جس نے پریشاں بنادیا

دور خزاں میں ایک امید بہار تھی
جس نے مجھے ندیم غزل خواں بنادیا





کس سے کریں گے عرض تمنا کہیں جسے
ملتا نہیں ہے کوئی بھی اپنا کہیں جسے

گرتی ہوئی حیات کی دیوار تھامیۓ
لازم ہے درد دل کا سہارا کہیں جسے

میخانۂ حیات میں بہتی ہے جوۓ خون
ساقی ترا تغافل بے جا کہیں جسے

میرے جمال یار کا دیدار کیا کرے
دریوزہ گر جلوۂ سینا کہیں جسے

خون جگر سے بزم تمنا ہے لالہ رنگ
محرومیاں ہیں اور دل شیدا کہیں جسے

آباد ان کے جذب محبت کے دم سے ہے
عقل و دل و خیال کی دنیا کہیں جسے

دنیا کے حادثات سے آساں گذر گئے
کتنا حسین ہے وعدۂ فردا کہیں جسے

اللہ کیا ہیں سوز تمنا کی عنایات
مرمر کے ان کی راہ میں جینا کہیں جسے

جب ناگہاں ملے تو کیا وعدۂ وصال
یہ التفات ہے کہ بہانہ کہیں جسے





کیا ہوا گرچہ ہوگئے آزاد
گھات میں دیکھئے ہے پھر صیاد

دشمنوں کو بھی ان پہ ترس آیا
دوستوں نے جنہیں کیا برباد

یہ بھی ہے جرم دیکھئے کیا ہو
صحن گلشن میں نالۂ آزاد

ہم نے ایسے بھی لوگ دیکھے ہیں
ہجر میں شاد وصل میں ناشاد

مست نغمہ جو کارساز رہیں
آپ ہی کہیے کیا سنیں فریاد





شوق بے اختیار ہائے توبہ
آپ سے سروکار ہائے توبہ

آپ کی شرح درد الفت ہے
یہ غم روزگار ہائے توبہ

عشق ہے خاکسار کیا کہیے
حسن ہو خاکسار ہائے توبہ

ایک ایک داغ جام جم اس کا
یہ دل داغدار ہائے توبہ

میری خوش قسمتی کی ہے معراج
آپ ہوں غم گسار ہائے توبہ





حسن لیل و نہار تم سے ہے
رونق روزگار تم سے ہے

تم نہیں ہو تو کچھ نہیں یعنی
زندگی کا وقار تم سے ہے

فرقت شب ہماری آنکھوں میں
سلک گوہر نثار تم سے ہے

صاف کہتی ہیں دھڑکنیں دل کی
میرا صبر و قرار تم سے ہے

حشر تک داغ دل نہ مٹنے پائے
درد دل پائیدار تم سے ہے

منزل بے کنار الفت میں
جذب دل کا مگار تم سے ہے

پھول جھڑتے ہیں تیری باتوں سے
گلستاں کی بہار تم سے ہے

کھیل ہوگا وگرنہ بچوں کا
حشر کا اعتبار تم سے ہے

ظلمت بے کنار ہستی میں
آرزو تاب کار تم سے ہے

خامۂ شوق کا نہیں اعجاز
داستاں زرنگار تم سے ہے

قسمت ساز گار کیا کہیے
یعنی اب سروکار تم سے ہے





بے قراروں کی یاد آتی ہے
چاند تاروں کی یاد آتی ہے

دل لگی دل لگی نہیں ہوتی
غم کے ماروں کی یاد آتی ہے

کس طرح ہوتی ہوگی ان کی بسر
بچھڑے یاروں کی یاد آتی ہے

بنتے بنتے بنے رقیب اپنے
رازداروں کی یاد آتی ہے

بزم عشرت میں آج کیوں ان کو
دل فگاروں کی یاد آتی ہے

صبح ہوتے ہی گھل گئے اے دوست
خواب زاروں کی یاد آتی ہے

اس جگہ پہلے پھول کھلتے تھے
خارزاروں کی یاد آتی ہے

کب زمانے نے قدر کی ان کی
شاہکاروں کی یاد آتی ہے

سخت مشکل ہے سرخرو ہونا
خامکاروں کی یاد آتی ہے

آتے ہی جو خزاں کی نذر ہوئیں
ان بہاروں کی یاد آتی ہے

ذکر چھڑتا ہے جب شہیدیؔ کا
جانثاروں کی یاد آتی ہے





عشق کی واردات نے مارا
حسن کی گھات گھات نے مارا

کیا علاج ان کا ساقیا جن کو
نگہٗ التفات نے مارا

کم نصیبوں پہ رویئے جن کو
نو بہ نو سانحات نے مارا

جو نہ سمجھے ہیں درد دل ان کو
عالم بے ثبات نے مارا

میری پرواز لامکانی کو
تنگیٔ شش جہات نے مارا

کردیا مجھ کو زندہ جاوید
جس غم کائنات نے مارا

دوست سمجھے ہیں اب شہیدؔی کو
جب اسے التفات نے مارا





یہ خدائے دوجہاں بھی عجب سادہ کار ہوتا
جو کوئی حسیں نہ ہوتا نہ کسی کا پیار ہوتا

کوئی بزمِ غم میں مجھ سا یہاں دلفگار ہوتا
مرا چارہ ساز ہوتا مرا غم گسار ہوتا

جہاں مجھ کو راہ ملتی وہیں انتظار ہوتا
سرِ بزم گر نہ ہوتا سرِ رہگذار ہوتا

یہی پیچ و تاب ہوتا یہی انتشار ہوتا
جو میں اس جہاں سے اُٹھتا یہی کاروبار ہوتا

نہ ثواب کار ہوتا نہ گناہ گار ہوتا
مجھے اپنے روز و شب پہ جو نہ اختیار ہوتا

نہ چھڑی مری کہانی تری محفلِ طرب میں
کوئی بے قرار ہوتا کوئی اشکبار ہوتا

کوئی ارتقاء نہ ہوتا مری زیست کے چمن میں
جو خزاں کا فکر کوئی نہ غمِ بہار ہوتا





یہ وہ جہاں نہیں جہاں آزار ہی نہ ہو
گلزار کون ہے وہ جہاں خار ہی نہ ہو

اچھا ہے ان سے کوئی سروکار ہی نہ ہو
جن دوستوں میں جوہر ایثار ہی نہ ہو

اس بزم شب کے حشر پہ روتا ہے وقت بھی
جو انقلاب دہر سے بیدار ہی نہ ہو

محرومیوں سے رنگ رخ زیست زرد ہے
انساں وہ کام کا ہے جو بیزار ہی نہ ہو

میری سمجھ میں آئے گا تب ارتقائے زیست
بزم جہاں میں جب کوئی نادار ہی نہ ہو





آج دہکا ہوا ہر ایک چمن ہے کہ نہیں
باغبانوں سے مرا روئے سخن ہے کہ نہیں

سرفروشان محبت کی نہ پوچھو مشکل
ہر قدم سلسلۂ دار و رسن ہے کہ نہیں

چاہیۓ آج ترا لطف و کرم ہو ہم پر
بے نیازی ترا دستور کہن ہے کہ نہیں

غم ایام کے مارے ہوئے انسانوں میں
ذکر رخسار ولب و چاہ ذقن ہے کہ نہیں

سامنے جس کے ٹھہرتی نہیں کوئی مشکل
تجھ میں وہ جذبۂ فولاد شکن ہے کہ نہیں





تنگ آکے اس جہاں سے کنارا نہ کیجئے
یوں مرگ ناگہاں کو پکارا نہ کیجئے

مٹ جایئے پہ ہاتھ سے دامن نہ چھوڑیئے
یعنی شکست شوق گوارا نہ کیجئے

فطرت کے جور و جبر ہیں نور نگاہ و دل
غم اپنا ہو تو ہو پہ ہمارا نہ کیجئے

سرمایۂ حیات ہے اُمید جاوداں
دل کار زار درد میں ہارا نہ کیجئے





زندگی کا چراغ جلتا ہے
یا مرے دل کا داغ جلتا ہے

دشت و در کی توبات ہی کیا دوست
آج ہر ایک باغ جلتا ہے

ہائے دل کی اُداس راتوں میں
انجمن کا فراغ جلتا ہے

اپنی خوددار وضع کے صدقے
ایک عالی دماغ جلتا ہے

لالہ صورت نہ ہو شہیدی ہی
بزمِ گل میں چراغ جلتا ہے





زیست سمجھے تھے بے ثبات کہاں؟
درد و غم سے ملی نجات کہاں

دل بدل ہی دیئے زمانے نے
اب وہ باتوں میں پہلی بات کہاں

پھر بھی چلتے ہیں جانب منزل
روز روشن کہاں یہ رات کہاں

بات ہوتی ہے بس یہاں دل کی
عاشقی میں وہ ذات پات کہاں

دین مشکل کشی کی ہے ورنہ!
میں کہاں وجہ کائنات کہاں





بات کہتے ہیں سب بتانے کی
تاب ہے کس میں غم اُٹھانے کی

برق نے ٹھان لی جلانے کی
فکر کر فکر آشیانے کی

گیسوے ابر ، چشم میگوں سے
یاد آئی شراب خانے کی

بھول بیٹھا ہوں روبرو ان کے
ہائے جو بات تھی بتانے کی

پیچ در پیچ دشت الفت ہے
آس جا کے نہیں ہے آنے کی

داغ دل وہ مٹا نہ دیں اے کاش
روشنی ہے غریب خانے کی

کون پوچھے گا غم کے ماروں کو
کس کو فرصت ہے سر اُٹھانے کی

دفن بھی ہو چکا مریض غم
کب سنی خبر ان کے آنے کی

میں تو وابستہ ہوں محبت سے
وہ تری ہو کہ ہو زمانے کی

خون ناحق چھپا نہیں رہتا
کوششیں لاکھ ہوں چھپانے کی

میری عادت ہے راہ الفت میں
گھاؤ کھا کھا کے مسکرانے کی

ہم جسے درد دل سمجھتے ہیں
اک حقیقت ہے وہ زمانے کی

بزم ہستی سے لوٹ آئے ہم
سیر کرلی نگار خانے کی





میری دنیا میں کہیں امن و اماں ہے کہ نہیں
گونجتی آج ہر اک سمت فغاں ہے کہ نہیں

زندگی جس پہ تصدق ہو جوانی تیری
آج وہ دوش پہ اک بارگراں ہے کہ نہیں

جس طرف دیکھئے ملتے ہیں ہوس کے بندے
بے خریدار مری عشق دکاں ہے کہ نہیں

مری باتوں میں ترا حسن اثر ہے اے دوست
غم ترا زخمہ زنِ بربسط جاں ہے کہ نہیں

جذب دل خام نہیں آج ہوا یہ معلوم
تیرے چہرے سے مرا درد عیاں ہے کہ نہیں

منزل شوق کی جانب نہیں آساں چلنا
تو بتا دل میں ترے عزم جواں ہے کہ نہیں

اپنی بے نوری پہ روتا ہوں مثال نرگس
میری جانب نگہ دیدہ وراں ہے کہ نہیں

حسرت و یاس کے لپکے ہیں اندھیرے پھر بھی
آرزو دل میں مرے نور فشاں ہے کہ نہیں





لٹ گیا گرچہ گلستاں سارا
باغباں یوں نہ بیٹھ پچھتانے
دیکھ نیرنگیاں زمانے کی
پھر ہرے ہورہے ہیں ویرانے

جی رہا تھا فراق میں لیکن
مجھ کو مارا ہے چارہ فرما نے
ہیں کہاں وہ/حقیقتیں کل کی
اب جنہیں بن رہے ہیں افسانے

جس کا مرہم نہیں ہے تو بھی دوست
گھاؤ ایسے دِیئے ہیں دنیا نے
سوئے گلشن دھواں دھواں سا کیوں
جانے کیا حال ہے خدا جانے

ہائے رندوں کی بد مذاقی سے
ٹوٹتے جارہے ہیں پیمانے
جو گذرتی ہے ان دنوں مجھ پر
میرا پروردگار کیا جانے





نازش آب و گل ہو گئی
خلش دل مستقل ہوگئی

دیکھئے نگہ ناز کو
آفت جان و دل ہوگئی

وسعت جذب دل کی طرح
پرفشاں خاکِ دل ہوگئی

میری حق بات کی دین ہے
سروری مشتعل ہوگئی

بڑھ گئے اور بھی فاصلے
جستجو مضمحل ہوگئی

آج کی فصل گل دیکھ لی
بوئے گل دودِ دل ہوگئی





کشتیٔ شوق کو موجوں کے حوالے کردو
بحرِ ہستی میں اٹھ آئے جو طوفاں کوئی

غالب آجائے گا ہر خوف بلائے جاں پر
ظلمتِ دہر میں کر دے جو چراغاں کوئی

آہ کیا خالق دنیائے نوی ہوں جن میں
آرزو ہو نہ تمنا ہو نہ ارماں کوئی

حاصلِ عمر گراں مایہ سمجھ لو اس
بزمِ احباب میں مل جائے جو انساں کوئی

اب بھی انسان ہے انسان کے ہاتھوں مقہور
گرچہ فغفور نہ کسریٰ ہے نہ خاقاں کوئی

سرخیاں دور اُفق سے یہ خبر دیتی ہیں
شاید ابھر آئے گا خورشید درخشاں کوئی





جب کبھی ان کی یاد آئی ہے
دوات درد دل نے پائی ہے

پھول گلشن میں ہیں اداس بہت
ان کی خوشبو صبا چرائی ہے

عرض مطلب کریں تو کس سے کریں
بے نوائی ہی بے نوائی ہے

عیش ان کو نصیب ہوں ہم کو
وادئ غم ہی راس آئی ہے

بت کدے کو چلے ہیں پروانے
ہم نے شمع حرم بجھائی ہے

آنکھیں ترسی ہیں پھولوں کی خاطر
یوں بھی اکثر بہار آئی ہے!

اب تو وہ بھی ملے ہیں پھر بھی کیوں
تم پہ اے دل اداسی چھائی ہے

شامِ وعدہ ہے وہ کسی کا دوست!
جو مقدر سنوار آئی ہے

جاں بلب بھی رہے ہیں فرقت میں
رسم الفت مگر نبھائی ہے





تم ملے تو ہر ایک بھایا ہے
ورنہ گھر اپنا بھی پرایا ہے

تیری آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
ہم نے اپنا سراغ پایا ہے

تم سے اور دلدہی ارے توبہ!!
میں نے اکثر فریب کھایا ہے

ساتھ تھا اپنا درد دل کے ساتھ
زندگی بھر جسے نبھایا ہے

چوٹ کرتا ہے مہہ جبینوں پر
گھاؤ کھا کے جو مسکرایا ہے

وہ کوئی ننگ مے کشی ہوگا
میکدے میں جو لڑکھڑایا ہے

رات بھر جو چراغ جلتا تھا
صبح دم دیکھ جھلملایا ہے

ہے کلی کی جبیں عرق آلود
کوئی بھنورا ادھر سے آیا ہے

کامرانی تھی یا کہ ناکامی
ہم نے آگے قدم بڑھایا ہے

اپنی ہستی سے جو نہیں واقف
کیا کسی کے وہ کام آیا ہے





ہمنشیں بزم طرب میں چھا گیا ہے ارتعاش!
دیکھنا آئی کہاں سے ہے صدائے دلخراش

بلبل ناداں پہ جب ہوگی حقیقت آشکار
جب طلسم رنگ و بو کا آئینہ ہو پاش پاش

یوں سر دربار حق میری شکایت کی گئی
کھو گیا ہے آدمی شوق وفا ذوق خراش

کچھ دنوں کلیوں پہ بھی جوبن تھا جو مرجھا گئیں
کھا گئی ہنستے ہوئے گلشن کو اک فکر معاش

دیکھ کر حیران ہوں اپنے تمدن کا کمال
فکر ابراہیم ہے اس دور میں آذرتراش





میری کتاب زیست کا عنوان چاہیئے
تیرے جہاں کو اک نیا انسان چاہیئے

کانٹوں سے بھر گیا ہے چمن زار محبت
آزاد پھر سے سنبل و ریحان چاہیئے

تا ہوسکے تعمیر نئے طور سے حیات
بزم جہاں میں نوح کا طوفان چاہیئے

تشہیر پھر سے ہونے لگی جذب خام کی
اہل وطن کو شاعر عرفان چاہیئے

تنہائی سفر میں بھی گھبرا سکا نہ دل
ذوق یقین و ہمت و ایمان چاہیئے





ہے لذت حیات فقط جہد مسلسل
دنیا ہے کارزار یہ باغ ارم نہیں

پندار حسن گرچہ ہے ان کا بڑھا ہوا
غیور طبع عشق ہماری بھی کم نہیں

مانا مسرتیں ہیں متاع گراں بہا
پھر بھی حریف لذت سوز الم نہیں

دوزخ جو ہو نصیب بصد شوق ہے قبول
اے رحمت تمام ! عنایت یہ کم نہیں





دنیائے محبت کی ہے رسم جداگانہ
فرزانہ ہے دیوانہ دیوانہ ہے فرزانہ

اک غیرت مریم کی ان شوخ اداؤں کو
کیا دے دیا ہم نے جو دل دے دیا نذرانہ

کیا اہل خرد سمجھیں کیا اس کی حقیقت ہے
برباد ہوئی بستی آباد ہے ویرانہ

گل پاش فضائیں ہیں مستی سی برستی ہے
آجوش بہاراں ہے اے دلبر مستانہ

ہرلفظ حقیقت ہے ہر بات صداقت ہے
ہے گرچہ مری ہستی افسانہ ہی افسانہ





دل عاشق اگر خرم نہیں ہے
مآل درد سے محرم نہیں ہے

ہماری زندگی کا ہے سہارا
تمہارا غم تمہارا غم نہیں ہے

چراغاں کر دیا پلکوں پہ ہم نے
سرشک دیدۂ ماتم نہیں ہے

نواہائے دل پر خوں ہیں میری
سرود بربط عالم نہیں ہے

جواں کاروں نے ثابت کر کے چھوڑا
نشاط غم خوشی سے کم نہیں ہے

بدلنا تھا بہت آساں زمانہ
طریق کوشش پیہم نہیں ہے

حقیقت ہے کہ انسان کی حقیقت
جو پرکھو تو خدا سے کم نہیں ہے

سرِرہ ایک بے کس کہہ رہا تھا
مروت مسلک آدم نہیں ہے

ابھر اے جوش طوفان حوادث
ہمارا جذب دل بھی کم نہیں ہے

شہیدیؔ دردِ دل ہے ایک نعمت!
مگر دردِ جہاں بھی کم نہیں ہے





بزم جہاں میں کون ہے شاداں کہیں جسے
میرا مراداس سے ہے انساں کہیں جسے

دل تفتہ جگر چاک گریبان تار تار
میری حیات شوق کا ساماں کہیں جسے

زاہد سے پہلے فارغ محشر ہوئے ہیں ہم
کیا چیز ہے ندامت عصیاں کہیں جسے

لائی ہے بے خودی میں سرخلد محبت
موج مئے تصور جاناں کہیں جسے

ہمت ہے کس میں دیکھئے جو بڑھ کے لے سکے
ساغر بکف ہے ساقیٔ دوراں کہیں جسے





ہم دیوانوں سے مت پوچھو کیسا حال ہمارا ہے
کپڑے کیا وحشت میں پھاڑے دل بھی پارا پارا ہے

آہ وہ ابن الوقت ہیں جن کو اسکی فضائیں پیاری ہیں
جس نگری کی گنگاؤں کا الٹا بہتا دھارا ہے

غیروں کا کیا حق ہے اس پر وہ کیوں مالی بن جائیں
ہم نے جس کو خون سے سینچا ہے وہ باغ ہمارا ہے

کچھ نہ کرو بس سو رہیو ہاں خود ہی بنیں گے شیش محل
دیکھو سندر سندر سپنا کتنا پیارا پیارا ہے

ڈھول اڑاتے ہیں خوشیوں میں درد جہاں سے بیگانے
میری دھرتی کی جانب دیکھو ہر اِک دکھیارا ہے

کھوٹ دلوں میں جھوٹ لبوں پر ہوس کے بندے کیا کہیے
دِل کی دنیا کالی کالی چہروں پر اجیارا ہے

مظلوموں پر فاقہ کشوں پر دھیان نہیں دیتا کوئی
اور فضا میں آئے دن چھوڑا جاتا سیارا ہے

آہ تجھے معلوم نہیں ہے ظلمت بڑھتی جاتی ہے
ورنہ لاکھوں دیپ جلانے پر بھی کیوں اندھیارا ہے





کیا جب مسرتوں نے میرے دوستو کنارا
غم معتبر نے بڑھ کے مجھے دے دیا سہارا

کسی کی نظر نہ پوچھو کہاں لائی ہے کہ ہم کو
نہ کوئی ملال اپنا نہ رہا گلہ تمہارا

یہ نوازش تصور نہیں ہے تو اور کیا ہے
کبھی تجھ سے دور رہ کر تری زلف کو سنوارا

رہ زندگی کٹے تو کٹے کس طرح کہ جب تک
نہ جمال ہو تمہارا نہ جلال ہو ہمارا

مرے دل کی دھڑکنیں ہیں اگر پیچ و تاب ہستی
مرے سوز و ساز کو ہے ترے درد نے نکھارا

تجھے اور چاہ لیں گے تجھے اور ڈھونڈ لیں گے
تجھے تیرا واسطہ ہے تو نہ بن ابھی ہمارا

وہ جو مست شالمر ہیں انہیں کیا پڑی کہ دیکھیں
کہیں ڈل کی آندھیوں میں مرا ڈوبتا شکارا

تیری پیروی کے لائق وہی شخص ہے ندیمو!
جسے اپنی زندگی سے غم زندگی ہے پیارا

نہ وہ حسن تمکنت ہے نہ وہ شان عشق باقی
یہ وہ دور ہے کہ جس کو میں نے ہر قدم نکھارا

بہت جلد آرہا ہے وہ زمانہ جب کہ ہمدم
اسی ظلمت جہاں سے ہو سحر بھی آشکارا





بے زبانی بھی کیا زباں ہوگی
دردالفت کی ترجمان ہوگی

کاش یہ جانتے عدم ہی میں
اپنی ہستی بھی اک گماں ہوگی

سادگی سے کہی تھی دل کی بات
کیا خبر تھی وہ بدگماں ہوگی

دیکھنا کل کو گُل کی شادابی
زینت گرد کارواں ہوگی

وہ بھی اخلاص ہی کی منزل ہے
جب پرستش بھی رائیگاں ہوگی

ان کو دفنانے دیجیے حق بات
وقت کے ساتھ خود عیاں ہوگی

وہ زمانہ بھی آرہا ہے جب
یہ زمین رشک آسماں ہوگی

موت ہے شرط دیکھنا اے دوست
ایک اک بات داستاں ہوگی

ہاں مسرت سنا ہے ہم نے بھی
ناقۂ غم کا سارباں ہوگی

میرے کشمیر کی طرح جنت
دوست! دوزخ کے درمیاں ہوگی

لو جلی شمع دل کے پروانے!
جل بجھو پھر یہ جاں کہاں ہوگی

ارتقا ہے اسی سے گلشن کا
ہے بہار اب تو کل خزاں ہوگی

ہم اسی طور کی تلاش میں ہیں
راہ تک جس کی کہکشاں ہوگی

جس قدر جذب دل کی وسعت ہو
خاک دل اتنی پرفشاں ہوگی

بزم ہستی کو جب ملے گی نجات
جب شہیدؔی کی ہم عناں ہوگی





کیا جانے مصلحت ہے کیا پرودگار کی
چکی میں پیستا ہے غم روزگار کی

اف دور ارتقا میں بھی پایا نہ کچھ فراغ
یہ بات نہیں آدمی کے اختیار کی

آئینہ دار ہستی ہے تاب کی قسم
عظمت ہے لازوال دل بے قرار کی

صد آہنگ نشاط ہے اک ان کا تصور
عمر دراز مانگ شب انتظار کی

اللہ کرے روح شہیدیؔ ہوشاد کام
تشکیل دی ہے دشت میں کیا لالہ زار کی





وفا کی راہ میں وہ ساتھ آجاتے تو کیا ہوتا
حقیقت کے لئے بدنام ہوجاتے تو کیا ہوتا

بھری محفل میں ان کی بے رخی کا کیا گلہ کرتے
اگر خلوت ہی میں ہم ان کو یاد آتے تو کیا ہوتا

دروں بینی نے ذوق دید کی تو لاج رکھ ہی لی
جو ہم اپنا تماشا آپ بن جاتے تو کیا ہوتا

شب تاریک ہے تنہائیاں ہیں جوش وحشت ہے
مسافر خود چراغ راہ بن جاتے تو کیا ہوتا

بہار آئی سنا ہے پھول کھلتے ہیں گلستاں میں
میری امید کے غنچے بھی کھل جاتے تو کیا ہوتا

رئیس شہر سے پوچھے کوئی اس دور میں ہمدم
جواں کار اپنی محنت کا صلہ پاتے تو کیا ہوتا

شہیدؔی اس قدر پابندیٔ رسم فغاں میں بھی
ترانہ زیرلب ہی ہم اگر گاتے تو کیا ہوتا





ان سے جب رسم و راہ ہوتی ہے
بے کلی بے پناہ ہوتی ہے

کون آیا ہے دیکھ کر اے دوست
عشق کی کتنی تھاہ ہوتی ہے

کیا خبر عیش کوش دنیا کو
زندگی رزم گاہ ہوتی ہے

اہل ساحل کو کیا پڑی دیکھیں
ناؤ کس کی تباہ ہوتی ہے

ہم بھی امیدوار رہتے ہیں
دیکھئے کب نگاہ ہوتی ہے





روغن خون دل فراواں ہے
بزم احساس میں چراغاں ہے

یہ میرے داغ دِل کی ہے تصویر
لوگ کہتے ہیں ماہ تاباں ہے

اک تصور کا آفتاب اے دوست
میرے حسرت کدے میں رخشاں ہے

خود کو دیتے ہیں ہم فریب اکثر
بے خبر زیست کا یہ ساماں ہے

آتش گل ہی پر نہیں موقوف
آج دہکا ہوا گلستاں ہے

آج خود آگہی کے ہاتھوں میں
اپنی بربادیوں کا ساماں ہے

یوں تو سب ٹھیک تھا مگر ہمدم
آدمی آدمی سے نالاں ہے

میری نظروں میں صبح مستقبل
رشک تنویر روئے جاناں ہے

اہل دل جس میں کام آتے ہیں
رشک فردوس وہ بیاباں ہے

تیرہ و تار سہی ہجر کی رات
شمع صد آرزو فروزاں ہے

محترم جس نے کردیا ہم کو
بزم ہستی میں اپنا عرفان ہے

شعر ہی شرح دردِدل ہے دوست
شعر ہی درد دل کا عنواں ہے





دوست یہ سوچتے ہیں پڑھ لکھ کر
کب ملے گا روزگار ہائے توبہ

شورشیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں
عقل ہے فتنہ کار ہائے توبہ

یاد آیا مجھے چمن اپنا
دیکھ کر خارزار ہائے توبہ

میکدے میں یہ دیکھتا ہوں آج
محتسب بادہ خوار ہائے توبہ

سلسلے جس کے حشر تک پہنچیں
وہ شب انتظار ہائے توبہ





اس بھری بزم میں کوئی بھی نہ نکلا اپنا
زندگی اب بھی ہے تنہا میں بتاؤں کیسے

دل تڑپتا ہے صلیبوں پہ مرا لمحوں کی
آہ بگڑی ہوئی تقدیر بناؤں کیسے

لالہ و سنبل و نسریں تو سبھی خاک ہوئے
گلشن زیست ہے ویرانہ سجاؤں کیسے

اب تو ٹوٹا ہوا اک ساز ہے میرے ہمدم
دل کی پہلی سی وہ آواز سناؤں کیسے

ایک مدت سے مرا تجھ سے تعلق ہے دوست
ہو کے رسوا سر بازار چھپاؤں کیسے

میرا ہر سانس نکلتا ہے دھواں بن بن کر
دل میں سلگی ہوئی یہ آگ بجھاؤں کیسے

فرقت یار میں آتا ہے کلیجہ منہ کو
ہائے یہ بات شہیدیؔ کو سمجھاؤں کیسے





سینکڑوں صدیوں سے اب تک برسرِ پیکار ہوں
ہائے اک اجڑے نگر کی ٹوٹتی دیوار ہوں

روز مجھ کو جوڑنے کے واسطے توڑا کئے
اے مرے خالق بتا کیا میں ترا شہکار ہوں

ڈولتی ہے وقت کے ساگر میں میری زندگی
لمحہ لمحہ جیسے کوئی چھوٹتی پتوار ہوں

جس نے دیکھا آنسوؤں کو پونچھ کر آہیں بھریں
آج کل اے دوست اُن حالات سے دوچار ہوں

کچھ نہیں بے اعتنائی کا گلہ مجھ کو ندیم
ہوں وہ بدقسمت کہ اپنے آپ سے بیزار ہوں





سازِ دل کا تھا تشنۂ مضراب
شکر ہے مل گیا غمِ احباب

کرچیاں چبھ رہی ہیں سینے میں
ریزہ ریزہ ہوا ہے شیشۂ خواب

دوست اُس بے وفا کا ذکر نہ کر
پیار تھا جس کا برف کی محراب

رہ رہا ہوں میں اس زمانے میں
دردِ دل جس میں ہوگیا نایاب

ڈوب جاتے ہیں وقت پر فرعون
وقت آتا ہے صورتِ سیلاب

ہم نے صحرا بنا دیا گلزار
باغ اپنا نہ ہو سکا سیراب





متاع زندگی سے کھیلتا ہوں
کسی کی برہمی سے کھیلتا ہوں
زفیض طاقت و صبر و تحمل
عروج تشنگی سے کھیلتا ہوں
قمار عشق میں تیرے سوا بھی
جہاں کی سرکشی سے کھیلتا ہوں
بجا کر ساز ہستی سوز دل سے
جہان خامشی سے کھیلتا ہوں
سکوت شب میں اک تیرا تصور
کہ جیسے راگنی سے کھیلتا ہوں
کہاں پچھلے پہر قدموں کی آہٹ
میں دل کی سادگی سے کھیلتا ہوں
صبا کا لڑکھڑانا ہے عجب کیا
چمن کی ہر کلی سے کھیلتا ہوں
ضمیر زندہ کا لے کر سہارا
شکوہِ خسروی سے کھیلتا ہوں





دل کے معاملات کو رسوا نہ کیجئے
پاکیزہ واردات کو رسوا نہ کیجئے

سرمایۂ نشاط ہے امید جاوداں
ان کی نوازشات کو رسوا نہ کیجئے

بے کیفیِ حیات کا شکوہ بجا مگر
رنگینیِ حیات کو رسوا نہ کیجئے

پلتی ہے جس کی گود میں لیلائے صبح نو
انصاف ہے اس رات کو رسوا نہ کیجئے

بخشا جنہوں نے ہم کو شعور یقین ذات
ایسے توہمات کو رسوا نہ کیجئے

تعزیر قید و بند کا مقصد ہے بس یہی
فن سیاسیات کو رسوا نہ کیجئے



پھونک ڈالا ہے خرمن باطل
حق نوازوں کو مرحبا کہیے
بزم امکاں کی رونقیں واہ واہ
کارسازوں کو مرحبا کہیے
آج دارورسن بھی لرزاں ہیں
سرفرازوں کو مرحبا کہیے
عظمت زیست ان سے قائم ہے
جان بازوں کو مرحبا کہیے





دل کے ارماں دل ہی دل میں رہ گئے
آہ جاتے جاتے یہ سب کہہ گئے

عمر بھر پوجا کیے خوابوں کے بت
جب حقیقت کھل گئی سب ڈھ گئے

بحر ہستی کی کشاکش میں ندیم
چند تنکوں کی طرح تھے بہہ گئے

ہوگئے برباد درد دل کے ہاتھ
ہائے کیا اوروں کے غم بھی سہہ گئے

دوستو اب کے ہمیں رکھنا معاف
بے خودی میں جانے کیا کیا کہہ گئے





عمر بھر تھی یہ آرزو تنہا
کاش ہوتے وہ روبرو تنہا

دل میں رہتا تھا اِک خیال اکثر
ہو تمہیں اس کے ہوبہو تنہا

یاس پرور جہاں میں اک امید
جیسے صحرا میں آبجو تنہا

شوق میں نقد جاں بھی کھو بیٹھے
کب لٹی اپنی آبرو تنہا

ہو نہ جب تک ترا کرم شامل
کون لوٹا ہے سرخرو تنہا

وشت وحشت میں مجھ سے پچھلی رات
کوئی کرتا ہے گفتگو تنہا

درس عبرت ہوں میکدے کا آہ!
کہہ رہا تھا یہ اک سبو تنہا

موت سے ہم کنار ہوکے دیکھ
زندگی کیا ہے جستجو تنہا





بساط دہر میں جب انقلاب آئے ہیں
جلو میں اپنے کئی حادثات لائے ہیں

دل و نگاہ کے گلشن سجے سجائے ہیں
خیال و خواب کے جیسے سفیر آئے ہیں

اٹھی اور اٹھ کے چلی آئی ہے نگارِ سحر
اندھیری رات میں جب ہم نے دل جلائے ہیں

مقام درد سے دیکھا تو یہ گماں گذرا
یہ آدمی تو نہیں بلکہ اُن کے سائے ہیں

بہار آتے ہی مرجھائے آرزو کے گلاب
مری حیات میں ایسے بھی دور آئے ہیں

ہر ایک شئے سے نہ جانے اجالا کیوں پھوٹا
سحر کی اوٹ میں شاید وہ مسکرائے ہیں

ترے جمال کا پرتو ترے خیال کی لو
مری نگاہ میں دونوں جہاں سمائے ہیں

خطا ہے کس کی اگر سی سکے نہ وہ دامن
گلوں کے ساتھ یہاں خار بھی تو آئے ہیں

وہی ہیں صاحب راز درون میخانہ
سنبھل سنبھل کے جو مے نوش لڑکھڑائے ہیں

حیات شوق کی محرومیوں کو کیا جانیں
وہ نامراد جو اپنی مراد پائے ہیں

ہوئی ہے جب ہی مکمل یہ جنت تخلیق
بساط دہر میں جب سے حضورؐ آئے ہیں

یہ دور دورِ تصادم ہے باغبانوں کا
چمن چمن ہے دھواں یہ بھی دیکھ آئے ہیں

گہر تھے آب ولر کے تمام یکدانہ
کہیں تو کیسے کہیں آپ ہی گنوائے ہیں





عجب نہیں ہے زمانہ جو سازگار نہیں
ہمارا ذوق عمل بھی تو باوقار نہیں

خزاں میں پھول نے اتنا کہا تو مرجھایا
وفا شعارئ بلبل پہ اعتبار نہیں

کمال شوق کے بوتے یہ بڑھ رہے ہیں ہم
حریم دوست کا کوئی بھی رازدار نہیں

سرودوساز سے مل جائے کب انہیں فرصت
غم حیات سے دل جن کے شعلہ بار نہیں

گلہ نہیں ہے مجھے اپنی نامرادی کا
جہاں میں کون سا دل ہے جو داغدار نہیں

ہرایک خار یہاں خون دل کا طالب ہے
یہ دشت زیست ہے خوابوں کا شالمار نہیں

ترے فراق میں تڑپا یہ دل بھی کیا شئے ہے
کہ تجھ کو پا کے بھی اس کو کوئی قرار نہیں



نذر جگر

دل درد سے جلتا ہے ہونٹوں پہ ترانہ ہے
یہ شان ادا اپنی مشہور زمانہ ہے

جو آگ لگائی ہے دنیا نے وہ بجھ جاتی
خود دل میں جو بھڑکی ہے مشکل وہ بجھانا ہے

حسرت سے گل و غنچہ کہتا تھا یہ بلبل سے
اب باغ نہیں اپنا غیروں کا ٹھکانہ ہے

اقدار بدلتی ہیں خود وقت بدلنے پر
کل تک جو حقیقت تھی وہ آج فسانہ ہے

افلاس کا ہمسایہ سرمایہ ہے سرمایہ
غم ہے تو بس اس کا ہے اب چاند پہ جانا ہے

دلداری و دمسازی خودداری و جانبازی
یہ باتیں نہ ہوں انسان پھر ننگ زمانہ ہے

پوشیدہ ہے نخوت اور چرچے ہیں اخوت کے
اس دور سیاست نے کیا کچھ نہ دکھانا ہے

اک گردش دوراں نے ہر چیز مٹا ڈالی
یا یاد تری باقی یا اپنا فسانہ ہے

سب اس کی نگاہوں کا اعجاز ہے اے ہمدم
تقدیر ہے افسانہ تدبیر بہانہ ہے

دولت ہے خود آگاہی کرتے ہیں شہنشاہی
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے





ولولہ تجھ میں کچھ اے قلب حزیں ہے کہ نہیں
منتظر تیرے لئے عرش بریں ہے کہ نہیں

ہو کے مایوس جو کہتے ہیں برا ہے جینا
ان کو کچھ عالم امکاں یہ یقیں ہے کہ نہیں

کاش بتلا دیں ہمیں چاند پہ جانے والے
رشک گلزار ارم ان کی زمین ہے کہ نہیں

انقلاب آئے زمانہ میں نہ جانے کتنے
پھر بھی دل تیری محبت کا امیں ہے کہ نہیں

سیر گلزار کو نکلا نہ ہو وہ ماہ تمام
عرق آلود ستاروں کی جبیں ہے کہ نہیں





وسعت شوق میں ہر راہ گذر آوارہ
حسن فطرت کی قسم سنگ و شجر آوارہ

نہ ملا پر نہ ملا تیرے تجمل کا سراغ
سر پٹکتے ہی رہے شام و سحر آوارہ

ہاے یہ حسن فراواں کہ ہر اک راہ پہ آج
آگہی زیر وزبر قلب و نظر آوارہ

جذب بے تاب پہ حجت ہے ہر ک شے اے دوست
آسماں اور زمیں شمس و قمر آوارہ

باغباں باغ کو بخشے جو حیات فردوس
ہووہی باد سحر خاک بسر آوارہ؟

دیکھتا شے کی حقیقت کو شہیدؔی کوئی
حیف اس دور میں ہے ذوق نظر آوارہ





پریتم ہے سندر کومل
جو دیکھے وہ ہو بے کل
کیسر کی ولوی شیتل
لیکن من من ہے سوتل
صحرا صحرا گھوما ہوں
تنہا تنہا جیسے نل
شوخ آشاؤں کی بستی
جیسے ہرنوں کا جنگل
یوں آتی ہے اس کی یاد
جیسے مَن بن میں کوئل
پالا ہے یہ صدیوں کا
اک اک یگ ہے اک اک پل
پیار کی مرلی کون بجائے
سونا ہے من کا گوکل





ازل سے آدمی کی چارہ فرمائی نہیں جاتی
نہیں جاتی ہے دل کی ناشکیبائی نہیں جاتی

فروغ وحشت دل سے گریباں چاک ہوں لیکن
مری ہستی وہ گل ہے جس کی رعنائی نہیں جاتی

ترے قدموں پہ لاکھوں قیس ہر دن بھینٹ چڑھتے ہیں
نگار زیست لیکن تیری لیلائی نہیں جاتی

زمانہ ہوچکا اب تک نقاب گل نہیں الٹی
مرے ذوق تماشا کی یہ رسوائی نہیں جاتی

ترے دوگام چلنے ہی پہ منزل آگئی لیکن
غزال شوق تیری وشت پیمائی نہیں جاتی

نہیں ممکن کسی صورت کہ انَ کو بھول جائیں ہم
تصور سے بھی جن کی جلوہ آرائی نہیں جاتی

ضرورت ہے کہ ہو دست صبا میں کچھ مسیحائی
کلی بس گدگدانے ہی سے مسکائی نہیں جاتی

بتا زہرہ سے انساں کی وفا کی کچھ توقع ہے ؟
جب اس سے لیلیٰ گیتی بھی اپنائی نہیں جاتی

گلستانِ زمانہ میں اب ایسے پھول کھلتے ہیں
کہیں جن میں خلوص غم کی بو پائی نہیں جاتی

چمن کا مسئلہ بھی کیا مری قسمت کا رشتہ ہے ؟
گرہ جس میں پڑی ایسی کہ سلجھائی نہیں جاتی

طلسم بزم شب کھلتا ہے جب سورج نکلتا ہے
حقیقت تو کھلونے دے کے بہلائی نہیں جاتی

یہ فیضان خیال صبح مسقبل ہے اے ہمدم
شب غم میں بھی دل کی نغمہ پیرائی نہیں جاتی

مری سلمائے فن سنوری ہے گلبانگ غزل بن کر
شہیدیؔ آج تک اس کی دل آرائی نہیں نہیں جاتی





چراغ فکر اہل انجمن کی آزمائش ہے
شب تاریک میں ننھی کرن کی آزمائش ہے

وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
چمن میں نونہالاں چمن کی آزمایش ہے

خبر دیتی ہے یہ تمہید طوفان حوادث کی
رواداری میں ابنائے زمن کی آزمایش ہے

تری راہ وفا میں سربلندی کام آتی ہے
جہاں ہر ہر قدم دارو رسن کی آزمایش ہے

اسی دورگراں خوابی میں تجدید وفا کرلے
حضور حق ترے سوزکہن کی آزمایش ہے

نکل ہی آئیں گے تخریب سے تعمیر کے پہلو
جگرداری میں ارباب محن کی آزمایش ہے

خداوندا مری مشکل کشی کی لاج رکھ لینا
مسیحائی میں میرے دل شکن کی آزمایش ہے

فضائے گلشن ہستی دہک اٹھی ہے شعلوں سے
وفا میں لالۂ خونین کفن کی آزمایش ہے

مذاق عارفانہ بھی ہے شوق ناروا بھی ہے
عجب اس کشمکش میں روح وتن کی آزمایش ہے

یہ دیکھیں گے کہاں تک رہ سکے گا اختلاف آخر
دوآبے میں مرے گنگ و جمن کی آزمایش ہے

ہماری زندگی میں ساتھ کس کس موڑ پر دے گی
جھلستی راہ میں اک گلبدن کی آزمایش ہے

جبین لالۂ دشت محبت ہے یہ پیشانی
ہجوم غم میں میرے بانکپن کی آزمایش ہے

بہت ہم نے سنی ہے مدح رخسار ولب وگیسو
شہیدی اب تری فکر سخن کی آزمایش ہے





سن موسم شرار گل و یاسمین کی بات
ظلمت بدوش رات میں صبح وطن کی بات

پامالی خزاں کے بھی شکوے بجا مگر
لازم ہے بزم نو میں بہار چمن کی بات

اس دشت رستخیز سے اچھا نہیں فرار
احباب کو زیبا نہیں کوہ و دمن کی بات

عزم صمیم پاس وفا نقد دل و جان
یہ پاس ہو تو کر لو متاع چمن کی بات !!!

مانوس ہوگئے ہیں غم زندگی سے ہم
بھاتی ہے پھر بھی زلف شکن در شکن کی بات

لبیک کر رہے ہیں جوانانِ سرفروش
چھیڑے جو کوئی راہبر دار و رسن کی بات

اک پر تو جمال کی تاثیر دیکھئے
کرتے ہیں اہل ہوش بھی دیوانہ پن کی بات

جب درد تھا نیا تو تھے چرچے بھی ہر طرف
اب کون پوچھتا ہے مریض کہن کی بات

رسم ورواج دہر ہوئے باعث فراق
قرباں ترے خیال کے کہدی ہے من کی بات

حسن خیال یار کے صدقے کہ آج بھی
خوش ہو رہا ہوں سن کے نئی انجمن کی بات





ہم شہید ناز ہیں منزل کے پاس
دیکھئے آپ اپنی ہی محفل کے پاس

کچھ نہ کچھ اپنی ہی خامی ہے ندیم
ناؤ کیسے ڈوبتی ساحل کے پاس

ڈھونڈتے ہو عقل کے صحرا میں کیا
درد کی دولت ہے شہر دل کے پاس

ہیں عبث ان کے گلے شکوے جناب
ہم چلے آئے تھے خود قاتل کے پاس

ریت میں سرسوں اگانا ہوتو پھر
عقل کی باتیں کرو جاہل کے پاس

قافلے والو اٹھو آگے بڑھو
یوں بھی پہنچا ہے کوئی منزل کے پاس

کاش اڑتا توڑ کے بند قفس
تھی تمنا طائر بسمل کے پاس





چوک میں سب احوال ہیں پیارے
راہوں میں دلال ہیں پیارے

پیار مروت درد محبت
سب کے سب پامال ہیں پیارے

شاہ نشینوں سے مت مانگو
وہ دل کے کنگال ہیں پیارے

ان کے جلوے دیکھ سکو تو
امبر تا پاتال ہیں پیارے

قحط وفا کی نگری میں ہم
درد سے مالا مال ہیں پیارے

ایک گھڑی تسکین کو روئے
صدیوں سے تا حال ہیں پیارے

سبزے کے ہم رنگ چمن میں
صّیادوں کے جال ہیں پیارے

بھیتر بھیتر اور ہی کچھ تھا
باہر سے ابدال ہیں پیارے

غم کھانا کام آنا سب کے
یہ اپنے اشغال ہیں پیارے

جن نغموں میں درد نہیں وہ
بے سر اور بے تال ہیں پیارے

شرم کے بدلے غازہ مل کر
چہرے اپنے لال ہیں پیارے

جنگ و جدل اور قحط و وبا سب
لوگوں کے اعمال ہیں پیارے

حاکم افسر منصف لیڈر
یعنی سب دجّال ہیں پیارے

"عقل" کی باتیں بھی کرلیں گے
"دیوانے" فی الحال ہیں پیارے





دل ہے تنہا میری نظر تنہا
زندگی خوب ہے مگر تنہا

آہ وہ شمع جل رہی ہو جو
شام سے لے کے تا سحر تنہا

ساتھ تھے ان کے اور بھی لیکن
لوگ دیکھے ہیں بیشتر تنہا

جمع کرتا ہوں درد وغم اکثر
تا نہ رہ جائیں چارہ گر تنہا

پھول جتنے تھے جھڑ گئے آخر
ایک بلبل ہے شاخ پر تنہا

زندگی کی جھلستی راہوں میں
درد دیکھا ہے ہمسفر تنہا





اہل حق پہنچے تھے پہلے دار تک
دیکھتے ہیں آج کل بمبار تک

عقل پہنچی درہم و دینار تک
کاش آتی جذبۂ ایثار تک

دشمنی ہوتی تو تھی کچھ اور بات!
آ گئے الزام اپنے پیار تک

کچھ نہتے چل پڑے جو سربکف
ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی سرکار تک

پورا جنگل بھی نہ ٹھہرا سامنے
جارہا تھا شیر اپنے غار تک

پھینک دی ہے شیخ نے تسبیح اور
بیچ آئے برہمن زنار تک

فطرت نشو نما کی خیر ہو
سبزہَ و گل میں پلے ہیں خار تک

جانے کیا کیا دیکھنا ہم کو پڑا
ایک ان کے وعدہَ دیدار تک





دل سے ٹیس اٹھی ہے ذہن کو ستائے ہیں
پیار کے وہ پہلے دن جب بھی یاد آئے ہیں

بات ہے تو ان کی ہے وہ جو اڑ کے آئے ہیں
ہم کو کون پوچھے گا ہم تو چل کے آئے ہیں

خوب جانتے ہیں آپ ان کو کس سے نسبت ہے
زخم جب بھی کھل اٹھے آپ مسکرائے ہیں

ایک زرد دھات کا کیا طلسم دیکھا ہے
حسن ہو کہ عشق ہو دونوں مات کھائے ہیں

جن کا دعویٰ تھا کہ وہ سچی سچی کہتے تھے
جانے سچی بات سے کیوں وہ تلملائے ہیں

گردش زمانہ کا وار ان پہ کیا پڑتا
ایک دوسرے کے جو دوست کام آئے ہیں

دور تک وہ آئے تھے رخصتی کے واسطے
میں سمجھتا تھا کہ وہ میرے ساتھ آئے ہیں

حسن کی پرستش ہی عشق کا مقدر ہے
شمع جب بھی جل اٹھی تو پتنگے آئے ہیں

سر وہ سر ہے اپنے آپ سے رہا ہے بیگانہ
پھر بھی اپنے نقش پا چاند پر جمائے ہیں

ایک عالی شاں محل اس طرف ہے اور ادھر
ایک چھت تلے کئی آدمی سمائے ہیں





جو شخص میری طرح جہاں آشنا نہیں
ہر لحظہ تغیر سے یہاں آشنا نہیں

دل کے سدا بہار چمن پر ہے مجھ کو ناز
زخموں کے پھول ہیں کہ خزاں آشنا نہیں

وہ جگمگا رہے ہیں شرافت کے کچھ چراغ
اِن قمقموں سے لوگ جہاں آشنا نہیں

کیا جانے کس تلاش میں پھرتا ہے جا بجا
میرا مکیں ہے وہ کہ مکاں آشنا نہیں

اس دور سے فرار بھی ممکن نہیں ہے دوست
یہ دور گرچہ امن و اماں آشنا نہیں

چہرے سے پڑھ رہا ہوں ہر اک شخص کی کتاب
مانا کہ سب کا میں تو زباں آشنا نہیں





بنام شوق جو رنج و محن سے گذرے ہیں
تمہارے واسطے دارورسن سے گذرے ہیں

جوان جس سے ہوئی میری روح کی کھیتی
وہ گھونٹ زہر کے کام ودہن سے گذرے ہیں

تجھ ایک چاند پر ہی منحصر نہیں اب تک
نہ جانے کتنے ہی سورج گہن سے گذرے ہیں

روش روش تھی مہر بند جو ر گلچیں سے
صبا کے ساتھ تھے ہم بھی چمن سے گذرے ہیں

بڑے اداس تھے سیاح آسماں کے دوست
زمیں کے کرۂ معراج فن سے گذرے ہیں

ازل سے ایک ہی رونق ہے آج تک قایم
ہزار بار درگلبدن سے گذرے ہیں

طویل وادیاں دیکھیں نگہ سے پوشیدہ
نظام شوق میں کوہ و دمن سے گذرے ہیں

نہ پوچھ حال پتنگوں کا شمع محفل سے
جنازے دھوم کے اس انجمن سے گذرے ہیں

ہر ایک قطرے کو اک بحر بیکراں پایا
بفیض فکر ہم جونقد فن سے گذرے ہیں

نہ کوئی کاکل شب تھی نہ عارض مہتاب
سحر کی اور بڑے بانکپن سے گذرے ہیں





سلوک کرتا ہے جو ہم سے آدمی کی طرح
ہمیں عزیز ہے وہ اپنی زندگی کی طرح

اجڑ نہ جائے مرا شہر دل کبھی کی طرح
مجھے تو لگتا ہے یہ بیسویں صدی کی طرح

ہمیں تو کافر صادق پہ پیار آتا ہے
کہ مومنوں نے بھی ڈالی ہے بت گری کی طرح

فراز دار سے جب لوٹ آئے دیوانے
نئے نظام سے ڈالی ہے زندگی کی طرح

شعور عصر بھی اے دوست کیا کرامت ہے
ہر ایک بات جو کرتا ہوں اک ولی کی طرح





کسی نے ڈالدی ہے جب سے سادگی کی طرح
ٹھہر گئی ہے زمانے میں دل کشی کی طرح

غموں کی بھیڑ میں ملتی ہے جب کسی کی یاد
اندھیری رات میں لگتی ہے روشنی کی طرح

تراوصال مرے جون کا مہینہ ہے
ترے فراق کا موسم ہے جنوری کی طرح

بنی جو پھول تو سو طرح چاک دامن ہے
کبھی تو وہ بھی تھی اک ادھ کھلی کلی کی طرح

وہ دوست جس کو تعلق تھا ایک مدت سے
بہت قریب سے گذرا ہے اجنبی کی طرح

سنی ہے ہم نے بھی تعریف خوب جنت کی
خدا کرے کہ لگے دوست کی گلی کی طرح





اس نے نقاب چہرے سے اپنے اتار کے
مجھ کو گلے لگایا شب غم گذار کے

کس طرح دن گذر گئے اپنی بہار کے
سوسن سے پوچھ لیجیے میرے مزار کے

دریوزہ گر تھے جلوہ ہائے مستعار کے
دیکھا ہے ہم نے چاند ستارے اتار کے

جب بھی سیئے ہیں زخم کسی رہگذار کے
دھبے عوض میں ہم کو ملے کولتار کے

جب سے لیا ہے دور مکاں اسنے شہر سے
چرچے ہوئے ہیں خوب نئے کاروبار کے

ہم تھے کہ گام گام بھرم ان کا رکھ لیا
آئے تھے بار بار جو دامن پسار کے

سردی میں آگ بن گئے سایہ تھے دھوپ میں
کتنے شفیق ہیں میرے پتے چنار کے

غربت نے دوستو انہیں ممنون کردیا
جو اجنبی ہیں آج تک اپنے دیار کے





کیجیۓ گا معاف میرا دوش
آپ سے ہوسکے نہ ہم آغوش

بھانپ لیتے ہیں دل کو چہرے سے
راز کچھ رہ نہیں سکا روپوش

برف زادی پگھل گئی آخر
پیار ہے پیارے آتش خاموش

جب بھی بر آئی آرزو کوئی
نیلگوں جھیل میں کھلے پمپوش

پوچھتا کوئی ان غریبوں کو
اہل ثروت ہیں محو نائے ونوش

عرش سے ہے ادھر مقام اپنا
چاندتارے نہ ہوسکے ہمدوش

نکہت ونور میں ڈھلی ہے زبان
میرا مسکن ہے وادئ گلپوش





دل کے ویرانے کو آباد کروں یا نہ کروں
جانے والے تجھے پھر یاد کروں یا نہ کروں

حق تو یہ ہے کہ مجھے اپنے ہی دل نے لوٹا
کچھ ترا شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں

عقل والے سبھی الزام مجھی کو دیں گے
زخم کھا کھا کے بھی فریاد کروں یا نہ کروں

سوچتا ہوں میں اگرچہ یہ نہیں ہے ممکن
خود کو ہر قید سے آزاد کروں یا نہ کروں

ہو نہ ہو اہلِ ستم یہ بھی اڑادیں کل کو
اک نیا شہر پھر آباد کروں یا نہ کروں

ذات کا غم بھی ترا غم بھی جہاں کا غم بھی
اور اک غم کو بھی ایزاد کروں یا نہ کروں

ایک انسان ہوں اور اس پہ مصائب لاکھوں
مرے اللہ تجھے یاد کروں یا نہ کروں





ہے مجھے جس کی ہر ادا سے پیار
وہ مری آرزو کا ہے شہکار

غیر تو غیر ہیں مگر اے دوست
اپنے اپنوں سے بھی ذرا ہوشیار

اہرمن ہو کہ حضرت یزداں
دونوں دیکھے ہیں برسرِپیکار

ہم نے ہر ازم خوب دیکھا ہے
ایک سرمایہ دار اک نادار

وہ جو کرتے ہیں امن کی باتیں
وہ ہیں درپردہ جنگ پر تیار

ان کے مدقوق دل بھی دیکھیں آپ
چہرہ جن کا حیا سے ہے گلنار

ایک ڈرامہ ہے زندگی کیا ہے
ہم اداکار وہ ہدایت کار

ہم نے کب قدر کی شہیدؔی کی
آہ! وہ باصلاحیت فنکار





گردوں شکار عزم کی تقدیر دیکھنا
زہر حیات شوق سے ہر روز پی گیا

بحر سکوت ماہ میں کرتے ہیں ہم تلاش
جس گوہر حیات کو دنیا میں کھو دیا

آئینہ خیال ہوا چور چور آہ!!
اس نے تعلقات کا دامن چھڑالیا

کہتے تھے ساتھ ساتھ چلیں گے ہم آپ کے
ہاتھوں میں میرے ہاتھ کسی نے نہیں دیا

نور ازل کو مل نہ سکا جب کہیں قرار
اک پیکر جمال کی آنکھوں میں ڈھل گیا

گاؤں سے چل پڑا تھا کبھی شہر کی طرف
ہر آدمی مشین لگا میں پلٹ گیا

آزاد گھومتے تھے چمن میں روش روش
صیاد مرے دوست مگر پر کتر گیا

تکمیل شے کو دیکھتے جی بھر گیا تو پھر
تجرید فن کو نکتۂ کامل بنا دیا





میں غم دہر کا مارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ
کر چکا تم سے کنارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

کشتیِ زیست کو موجوں میں دھکیلا تم نے
اب میں آپ اپنا کنارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

تیرے ہاتھوں نہیں ممکن کوئی درماں جس کا
میں اسی درد کا مارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

جب سے ہر پھول کو سینچا ہے لہو سے میں نے
سب کی آنکھوں کا میں تارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

ایک تم کیا تھے مرے دوست زمانے بھر کی
زلف برہم کو سنوارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

حسن مغرور کے عشوؤں سے بھلا کیا مڑتا
شوق خوددار کا دھارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ

بزم شب سے رہی گر مجھ کو بھی نسبت لیکن
صبح دم چڑھتا ستارا ہوں نہ چھیڑو جاؤ





دوست ہونا نہ اس سے تم بیزار
زندگانی ہے اک مسلسل ہار

کوئی مجبور ہے کوئی مختار
خواہ ثابت ہو خواہ ہو سیّار

کار الفت نبھانا ہے دشوار
جی سے جاتا ہے صبر آخرکار

کیا کیا ٹھانی تھی اس سے کہنے کی
مل گئے جب تو رہ گئے ناچار

حق نہیں ہے کچھ اس کو نفرت کا
کر سکا ہے نہ جو کسی سے پیار

دین ہو فلسفہ ہو حکمت ہو
آج کل سب کا چل گیا بیوپار

اہل گلزار کاش ہو جاتے
خود نگر خود شناس اور خوددار

خالی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا
دار سچ بولنے کا ہے معیار

وقت کی نبض پر ہے اپنا ہاتھ
وقت کے ترجمان ہیں یہ اشعار





اے رہ نورد شوق بڑھاتے ہی جا قدم
جی چاہتا ہو لاکھ مگر تو کہیں نہ تھم

بڑھتا گیا ہے جتنا بھی ذوق گرہ کشا
ہوتے گئے ہیں گیسوئے دوراں بھی خم بہ خم

دست کرم نے بارہا پھاہا بھی رکھ دیا
زخم دل حیات کی سوزش ہوئی نہ کم

پھر سے حیات شوق کی تاریخ لکھ گئے
ارباب صداقت کے بھی کیا سر ہوئے قلم

مت پوچھ دوست اس دل مشکل طلب کا حال
روندے ہے جس کو قافلہ درد و سوز و غم

میری غزل میں کرلیں تماشائے کائنات
اہل نظر کے واسطے رکھا ہے جام جم





حسن فطرت کی تابکاری ہے
ذرے ذرے میں بے قراری ہے

ان کو دیکھا تو یہ یقیں آیا
عین قدرت کی دستکاری ہے

فصل گل بھی ہو جس سے شرمندہ
وہ مرے دل کی لالہ کاری ہے

آج اس دور زرگری میں دوست
عشق سودائے خامکاری ہے

پھول ہو یا کلی حجاب کہاں
گرم بازار گلعذاری ہے

پینے والے تھے چھپ کسے پیتے تھے
اور اب عام بادہ خواری ہے

فرصت کشمکش ملے کیوں کر
تھوڑی آمد ہے خرچ بھاری ہے

دولت درو کی تلاش نہ کر
چارہ کاری فریب کاری ہے

زخم کھا کر نہ چیخ چیخ اُٹھے
اتنی بھی کس میں بردباری ہے

فلسفہ دین اورسیاست کی!
نوعیت سب کی کاروباری ہے

یہ ستارے. یہ کہکشاں یہ چاند
دامن شب کی زر نگاری ہے!

روز اس کا نیا تماشا دیکھ
وقت دیرینہ اک مداری ہے

لیڈری ہو کہ حاکمی ہمدم!
اپنے اپنوں کی پاسداری ہے

ناشناسائے امن ہے انسان
گرم یا سرد جنگ جاری ہے

جوہری زندگی مبارک باد
عالم آشوب کی تیاری ہے

سچ سے ان پر بھی حرف آئے گا
اس لئے سب کی پردہ داری ہے

عصر حاضر ہے کینواس اپنا
اور اشعار ؟ چترکاری ہے





ماند ماند پڑتا ہے ماہتاب کا چہرہ
ظلمتوں کو چاہئے آفتاب کا چہرہ

صاف بتاتا ہے آج پیچ و تاب کا چہرہ
دیکھنا ہے عنقریب انقلاب کا چہرہ

گام گام زیست کا حرف مکرر نہ ہو
داغ داغ ورنہ کیوں ہے کتاب کا چہرہ

جھوم جھوم اٹھتی ہے باغ میں بادصبا
چوم چوم لیتی ہے جب گلاب کا چہرہ

اک سوال دید کا حشر کیا ہو کیا خبر؟
زیر نقاب سکوت ہے جواب کا چہرہ

شکوہ ہائے جورو و جبر ہیں فضول دوستو
میکدے میں ڈھل گیا احتساب کا چہرہ

اہل نظر تشنہ کام بیٹھ رہے ضبط سے
آب آب ہوگیا ہے سراب کا چہرہ

داور محشر کا پھر دیدنی ہے فیصلہ
دعوت گناہ دے جب ثواب کا چہرہ

جب سے نام لکھ دیا لوح زیست پر ترا
جب سے جگمگاتا ہے انتساب کا چہرہ





کسی پہ آگیا جب سے شباب کا موسم
نگاہ شوق نے دیکھا گلاب کا موسم

سوال کر چکے پیدا جواب کا موسم
سمجھ میں آگیا آخر ''کتاب'' کا موسم

نہ پیچ و تاب کا نے اضطراب کا موسم
اب ایک سا ہے مجھ خانہ خراب کا موسم

وصال یار کے ہم کچھ گناہگار نہ تھے
فراق یار ہے اپنے عتاب کا موسم

خراج لیتا ہے ہر گام حسن بے پروا
پلٹ کے رکھ دیا جس نے نقاب کا موسم

قریب آکے ہوئی دور سب غلط فہمی
یہ دور آج کا کیا ہے سراب کا موسم

چٹان بن کے رہا درد کے جزیرے میں
خرد فروز ہے ہر انقلاب کا موسم





طویل ہو گیا جب انتظار کا موسم
سمجھ میں آ گیا دل کے غبار کا موسم

ہزار رنج و بلا ہوں ہزار جاڑے ہوں
پھر آ ہی جائے گا آخر بہار کا موسم

نظر نظر میں جہاں کشمکش کی عظمت ہو
قدم قدم ہے وہیں اک نکھار کا موسم

چلے چلو کہ ملے سب کو اپنی اپنی داد
اسی کو کہتے ہیں روز شمار کا موسم

ستم ستم کہ ہوا ہے کرم کا پھر سے ظہور
بجھا بجھا ہے دل داغدار کا موسم

تمام عیش و طرب ہے فقط فریب نظر
حیات کیا ہے غم روزگار کا موسم

خلوص درد و محبت سبھی دکھاوا ہے
ٹھہر سکا ہے کبھی اعتبار کا موسم





اذن مینو شئی میخانۂ ہستی معلوم
ہم نے خود بڑھ کے کئی ساغر جم پائے ہیں

جسکی قیمت نہیں پرویز کی دولت اے دوست!
کوہکن بن کے وہی جوئے وفا لائے ہیں

آج تکمیل محبت ہوئی شاید ورنہ
ان پہ کیا بن گئی بادیدۂ نم آئے ہیں

تھی نہ کس کس کو زمانے میں مسرت کی تلاش
ایک ہم تھے کہ فقط تحفہ غم لائے ہیں!!





اکثر تمہاری یاد نے شب خون مار کے
پرزے اُڑا دیئے ہیں غم روزگار کے

نفرت کی آندھیوں میں بھی بیٹھا نہ ہار کے
وہ دل کہ جل رہے ہیں دِیے جس میں پیار کے

انساں سے چاند نے یہ کہا ہے پکار کے
زلفیں زمیں کی کاش تم آتے سنوار کے

شہروں کے شہر شہر خموشاں ہوئے تو کیا
وہ دیکھ فوج آئی ہے میدان مار کے

کیوں داغ داغ میرا بدن آپ نے کیا
تہذیب پوچھتی ہے یہ کپڑے اُتار کے





مختصر نہ ہو جائے زندگی کا دائرہ
بڑھ گیا ہے دوستو بے کسی کا دائرہ

بٹ گیا ہے آج کل سروری کا دائرہ
گام گام دیکھئے خواجگی کا دائرہ

دل میں جس کے دیکھئے دوستی کا دائرہ
ذہن ہے اس کا تمام آگہی کا دائرہ

تھک کے بیٹھ جاتا ہوں راہ میں تو دور سے
حوصلہ بڑھاتا ہے روشنی کا دائرہ

وقت کے سمندر میں وہ بھی پار ہو جاتے
کاٹ کے جو رکھ دیتے بے دلی کا دائرہ

صاحب جنگ وجدال بزدلی کو چھوڑ کر
امن کے ماتھے پہ کھینچ آشتی کا دائرہ

ہم خدا شناس ہیں خودشناسی کے طفیل
آپ ناپتے رہے بندگی کا دائرہ

شوق کا تقاضا ہے کوئی طلاطم اُٹھے!
ورنہ ہے یہ بحرِ زیست بے حسی کا دائرہ

جتنا جتنا روکئے پھیلتا ہے اور بھی
ارتقاء کے ساتھ ساتھ کجروی کا دائرہ

قافلے والو ذرا دیکھ کر آگے بڑھو
راہبر نے جا لیا گمرہی کا دائرہ





چلی جو کچھ چلی گذری جو کچھ سرکار گذری ہے
مگر خوش ہوں کہ اپنی زندگی خوددار گذری ہے

اُجالا چھوڑ کر ظلمت کی جانب چل دِئے جو بھی
حیات انکی زمانے میں نہایت خوار گذری ہے

عبث ہم رو دِئے اہل وطن کی خستہ حالی پر
کہ طغیانی بھی جن کو ساز کی جھنکاری گذری ہے

تبسم کیا حیات گل بھی چھن جانے کو ہے شاید
صبا گلشن میں جانے کیوں دوا نہ وار گذاری ہے





دیکھنا ٹرک اُلٹ گیا ہوگا
راہ سے اپنی ہٹ گیا ہوگا

بہہ گیا دیکھتے ہی دیکھتے شہر
وقت بادل ہے پھٹ گیا ہوگا

محتسب فرش چاٹتا دیکھا
رند ساغر الٹ گیا ہوگا

ہائے بے چہرہ آدمی کی طرح
سیب قاشوں میں بٹ گیا ہوگا

وہ جو منصوبہ تھا ترقی کا؟
فائلوں میں سمٹ گیا ہوگا

سادہ لوحوں سے راہبران کا
جونک بن کر چمٹ گیا ہو گا

ایک کتّے نے دیکھ لی بلّی
شیر صورت جھپٹ گیا ہوگا

سینکڑوں بم گرائے جانے کو
لے کے ہر بار جٹ گیا ہوگا

پیپ بہتی ہے دودھ کے بدلے
سینہ گوری کا کٹ گیا ہوگا

غم کی یورش سے ہم نہیں ڈرتے
دل ہے ٹیپو وہ ڈٹ گیا ہوگا

آج صحرا ہے جس جگہ - پہلے
ایک جنگل تھا کٹ گیا ہوگا

وصل کی شب گیا نہ اس کے گھر
تھانے لکھ کر رپٹ گیا ہوگا

خواب اور منتیں یہ کیا مطلب
کوئی آ کے پلٹ گیا ہوگا





یعنی جو اپنے آپ سے بھاگا
جب وہ سویا تو پھر نہیں جاگا

سی رہا ہوں قبائے زیست اپنی
سوزنِ غم ہے ضبط کا دھاگا

پاک بھارت ہیں دل کے ناسودہ
ہیں بلوچ اس طرف اِدھر ناگا

تا نیاپن ہو اس میں بھی ظاہر
سارے گاما ہے مارے پاساگا





شہیدی صاحب ایک اچھے شاعر ہونے
کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان بھی ہیں اور یہ ایک
[illegible] اس دور میں جو قدروں
[illegible] منظر پیش کرتا
[illegible] نہیں آتی۔
[illegible] نشاۃ ثانیہ
کے [illegible] ایک مذہب کی
حیثیت سے ابھری ہے اس نے اقدار سے متعلق
[illegible] ذہنی رویوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے اور
خوب ناخوب بن گیا ہے اور ناخوب خوب۔

شاعری کے کاروبارِ شوق کے ساتھ وہ سنِ شعور
سے لے کر اب آج تک منسلک چلے آرہے ہیں۔ وہ
کشمیری اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں اور
شاعری کی ترجمہ کاری میں بھی اپنے جوہر دکھا چکے
ہیں۔ انہوں نے اقبال علیہ الرحمہ کے پیام مشرق اور
ارمغان حجاز، عمر خیام کی رباعیات (مکمل) اور مثنوی
مولانا روم سے منتخبات کا فارسی سے کشمیری میں منظوم
ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مولانا حالی
مرحوم کے مسدس کا بھی کشمیری میں (مکمل) منظوم
ترجمہ کیا ہے۔ ان کے تراجم میں حضرت شیخ العالم
رحمتہ اللہ علیہ کے منتخب کلام اور کلام مہجور کا کشمیری سے اردو
میں منظوم ترجمہ بھی شامل ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ
شعر کا ترجمہ اگرچہ بالکل ناممکن نہیں لیکن ناممکن حد تک
مشکل ضرور ہے۔ شہیدی صاحب کے تراجم پر اکثر
اصل کا گماں ہوتا ہے اور اس قسم کا ترجمہ وہی شخص
کر سکتا ہے جو صلاحیت تخلیق سے بہرہ ور ہو۔

پروفیسر غلام رسول ملک

سابق، صدر شعبہ انگریزی، کشمیر یونیورسٹی